اللہ اکبر

درو جواہر

اردو ترجمہ

الکبریت الاحمر والاکسیر الاکبر

تالیف

سیدنا عبداللہ بن ابوبکر العیدروس رحمۃ اللہ علیہ

از

محمد معشوق حسین خاں سلطانی

جسکو

جناب جلال الدین احمد صاحب (عیدروسی) بی اے - ایل ایل - بی

نے بصرفہ زر کثیر اپنے اہتمام سے زاہد پریس حیدرآباد سندھ میں طبع کرایا

۱۳۷۱ھ

انتساب

ان ایام کی یاد میں جو حضرت ناصر سنت کہف انام عالم علوم ظاہر و باطن
فاضل لبیب کامل نجیب مستفیض بہ فیوض محمودیہ مستفید بہ علوم سلطانیہ
محبوب عالم و عالمیان حضرت صاحبزادہ محبوب عالم میاں
سلمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین دربار ڈربار-اوان شریف ضلع گجرات (پاک پنجاب)
کے قدموں میں گذرے اور اس رسالہ کے ترجمہ کی صلاحیت و توفیق نصیب ہوئی۔

محمد معشوق حسین خاں سلطانی

محرم سنہ ١٣٧١ھ۔ مترجم

بسم اللہ خیر الاسماء

صراط اللہ الذی لہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض

(اس اللہ کا راستہ جسکے لئے وہ سب ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب طرح کی تعریف صرف اس اللہ کی ہے جس نے "کینونیۃ کن" (یعنی حکم "کن" کی صفت موجدہ) سے ارواح کلیات کے لطیفے پیدا کئے اور پردہ غیب سے معارف کے آفتاب اور الٰہیات کے حقائق اور نور اعلیٰ کے سمندروں سے عقول نورانیات کے جواہر انفاس (ذوات) باہر نکالے اور کائنات کے دائروں کے احکام کو اُن معانی کی برکتوں کے اسرار سے پختہ اور مضبوط کیا جو اسماء ربانیات کے حرفوں سے باہر آکر کلام کی صورت میں نمودار ہوئے اور نفوس (یعنی ذوات) کلیات کی تختیوں کے مندرجہ معانی میں اپنی مصنوعات کی نئی نئی بدیع صنعتوں کو عدم سے وجود میں لاکر امانت رکھا اور ارواح کلیات کے قلم سے انھیں تحریر میں لایا۔ ایسا مصور جس نے معانی کا نقش نفس (یعنی ذات) عارف کی روح پر کلیات و جزئیات کا علم عطا کر کے کھینچا۔ ایسا مُشاہد جو نفس وحدت کی روح عزیز کو ایسی کلیات کے ذریعہ جو نفوس ارواح کائنات کی ذاتوں پر حاوی تھے پردہ سے باہر مشاہدہ میں لایا۔ ایسی ذات جو اسماء ربانیات

کی تنبیہات اور آگاہیوں کے اخلاق وصفات سے آراستہ کرنے والی ہے اسماء ذات وصفات کے معانی میں طالبوں کو دفنا کرنے والی اور آیات ونعمات ربانی کی برکتوں کے معنوی موتی کے سمندروں میں تیرنے والوں کو غرق کرنیوالی ہے۔ پس پاک ہے وہ اللہ جس کے وصف کے بیان کرنے میں عقلیں بیکار اور ذات وصفات کے ادراک سے عاجز درماندہ ہیں اور اپنی عاجزی کے سوا اور کچھ سرمایہ نہیں رکھتیں اور ایسی پستی و ذلت کے ساتھ جو حادث کائناتوں کیلئے شائستہ ہے اسکی کبریائی کے سامنے سرافگندہ ہیں اسی نے کلیات کی روحوں اور عقلوں کو پیدا کیا اور صورتوں جسموں اور تمام موجودات کو جو روحانیات سے تعلق رکھتی ہوں یا برزخیات وجسمانیات سے عدم سے وجود میں لایا اور اے پروردگار درود بھیج اس پر جو کائنات کی روح اور مخلوقات میں سب سے افضل ہے یعنی ہمارے سردار وحبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر ایسا درود جو باقی رہنے والی نیکیوں میں سب سے بہتر ہو۔

فصل ———— (۱)

سلوک

طریق تصوف کا سلوک دراصل جن اشیاء پر مبنی ہے وہ یہ ہیں۔

عبادات۔ مقامات۔ احوال۔ انفاس۔ معارف۔ ضرب الامثال۔ یا امتثال امر یا حفظِ قلوب یا اثر قبول کرنیکی قابلیتیں۔ نیز روبرو بیٹھکر توجہ لینا۔ یا غور وفکر کیلئے مناظرے یا مجلسیں منعقد کرنا۔ یا عشق ومحبت کی باتیں کرنا۔ یا حسن ظن کے ساتھ باہم ملنا جلنا اور دوستی رکھنا یہ سب اخلاق محمدی ہیں۔ یہ سب مذاکرات ہیں یا تصدیق واعتقادات یا ماسوائے اللہ سے

انقطاع اور مخلوق کی خدمات میں، یا تربیت یا دینی علوم کا حصول ہیں۔

فصل ــــــــــــــــــ (۲)

شیخ کے صفات

ان میں سے کوئی بات نہیں حاصل ہو سکتی تا وقتیکہ ایسے شیخ کا ہاتھ نہ پکڑا جائے۔ جو عارف سالک مجذوب۔ واصل محبوب۔ واصل موصول۔ عارف بالنقل والعقل (یعنی عقلی و نقلی تمام علوم سے واقف) عارف باللہ اپنے نفس سے حاضر اور عالم غیب و شہادت میں۔ خلوت ہو یا جلوت، اپنے قلب سے غائب رہے یعنی لوگوں سے ملتا جلتا رہے مگر اسکا دل ہر وقت اللہ ہی میں مستغرق و غائب رہے نہ دنیا کی پروا ہو اور نہ آخرت کی۔

فصل ــــــــــــــــــ (۳)

نفس

مشائخ۔ صوفیہ سب بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ اور اسکے بندے کے درمیان سب سے موٹا پردہ نفس کا ہے جو ہمیشہ برائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ یہی بری خصلتوں کا محل ہے اور سب سے بڑی خصلت یہ ہے کہ دنیا کی محبت کیساتھ خود پسندی بھی ہو اور سب سے زیادہ تاریک و ظلمت ہے جو حسد و غیبت اور چغلخوری کی ہو اسی لیئے سب مشائخ کا اتفاق ہے کہ بدکرداروں اور نافرمانوں سے ملنا جلنا نہ چاہیئے اور نہ عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنا چاہیئے۔

فصل ــــــــــــــــــ (۴)

بنائے کار

نیز مشائخ کا اتفاق ہے کہ اُن کے کام کی بنا کم کھانے۔ کم کلام کرنے۔ کم سونے اور لوگوں

سے ہٹکر رہنے ہیں ہے۔ اور نہ کوئی ریاضتیں ٹھیک طرح ہو سکتی ہیں۔ اور نہ خلوتیں اور نہ کوئی مطلب حاصل ہو سکتا ہے اور نہ مقام تا وقتیکہ کسی شیخ۔ عارف باللہ اس راہ کو طے کئے ہوئے کامل انسان کا ساتھ نہ ہو

فصل ــــــــــ (۵)

اعتقاد اہلِ سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے جسے شیخ عبداللہ رحہ بن اسعد یافعی نے نظم کیا ہے اور اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔ ہمارا رب کیفَ (کیا) اینَ (کہاں) یا متیٰ (کب) اور ہر شئے سے جسکا تصور ہمارے دل میں آسکے بالاتر ہے۔ نقصان وشک وشبہ وشریک کے شائبہ سے پاک ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ اس کے کوئی اولاد یا بیویاں ہیں۔ وہ اللہ ہے جو سب سے بڑا ہے۔ وہ قدیم ہے۔ کلیم ہے جبکہ کوئی حرف نہ تھا۔ نہ عرض ہے۔ نہ جسم و نہ جوہر۔ ارادہ فرمانے والا۔ زندہ۔ جاننے والا۔ کلام فرمانے والا۔ ہر شئے پر قادر۔ سمیع و بصیر ہے سمع و علم اور اس کے ساتھ حیات و قدرت سب اسے حاصل ہے۔ نیز بقیہ تمام صفات کا بھی وہی مصدر ہے۔ اسپر کوئی شے واجب نہیں۔ جو سزا وہ دیتا ہے وہ عین تقاضائے انصاف ہے بندوں کو ثواب ملنا اور ان کو مغفرت ہونا سب اسی کے فضل سے ہے اس نے ایک شرع بھیجی ہے جس سے دین کو محکم کیا جسکی بنیاد وحی پر ہے۔ اس کی رویت حق ہے۔ شفاعت حق ہے حوض پر جمع ہونا۔ تقدیر، قبر کے حالات اور منکر و نکیر سب حق ہیں۔ موت کے بعد پھر قیامت میں زندہ ہونا۔ میزان۔ جنت دوزخ اور پل صراط سب حق ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں

ہماری شرع نے جو تمام آلودگیوں سے پاک و مزکی ہے تمام پہلے کے رسولوں کی شرع کو منسوخ کر دیا اور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی تمام مخلوقات سے بہتر، ہمارے مولا شفیع روزِ جزا سب سے مقدم و بزرگ تر ہیں آپ کے اصحاب خیر القرون ہیں۔ اور تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے خیر میں انکے مرتبہ قائم ہیں۔ وہ ہدایت کے ستارے سب ایک دوسرے کے ہمسر، اور بزرگیوں اور فضیلتوں میں سب سے زیادہ صاحب خیر و عطا ہیں۔ ان کے فضائل اتنے مشہور ہیں کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان سب میں افضل حضرت صدیق اکبر ہیں جنھیں اللہ نے بلند مرتبہ دیا اور صاحب جود و فضل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ فضل میں چوتھے ہیں اور سوائے کافر کے اور کوئی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیگا۔ اور کعبہ ہمارا قبلہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، وہ ام القریٰ مکہ میں واقع ہے

فصل ——— (۶)

توحید

اللہ تعالےٰ کی ذات میں کوئی تقسیم نہیں۔ جیسی اسکی ذات ہے ویسا کوئی نہیں اور جیسے اسکے حق وصفات ہیں ان میں کوئی اسکے مشابہ نہیں اور جو اسکے افعال و مصنوعات ہیں انمیں کوئی اسکا شریک نہیں ——— عالم باللہ اور تمام مشائخ صوفیہ کا قول ہے کہ توحید میں جو کلمہ حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلا ہے اوس سے بڑھکر کسی نے نہیں کہا۔ آپ نے فرمایا "سبحان الذی لم یجعل للخلق سبیلاً الی معرفتہ" یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے بندوں کی (عقل کے) لئے اپنی پہچان کے واسطے کوئی راستہ نہیں رکھا۔ یعنی اسکی معرفت صرف اسی کی توفیق اور اسکے بتلانے سے ہو سکتی ہے کسی بندہ کی عقل و کوشش سے ممکن نہیں تمام

عالم باللہ اور مشائخ صوفیہ کا فرمانا ہے کہ وہ توحید جس میں عالم باللہ منفرد ہیں یہ ہے کہ قدیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد ہے ۔ وہ حادث نہیں ۔ قوت مدرکہ میں بھی حادث کے لئے کوئی جگہ نہیں ۔ حادث کو قوت مدرکہ سے سلب کر کے ازلی و قدیم کو اسکی جگہ قائم کرنا ہے وہ ذات قدیم صفات کے احکام سے باہر ہے ۔ کسی صفت نے اسے مغلوب کر کے جس ازلی و قدیم مقام پر وہ قوت مدرکہ میں ہے، وہاں سے اسکو خارج نہیں کیا ۔ ذات ذات ہے اور صفت صفت دونوں الگ الگ ہیں اور پھر ایک دوسرے میں مندرج ہیں ۔ اسی اندماج میں وحدت ہے ۔ کمال کی تمام صفتیں حق تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں ۔ ہر صفت میں وہی ایک کامل ہے ۔ بندہ میں اپنا کوئی کمال نہیں ۔ علم شے اور عدم علم شے کسی کی نسبت اپنی طرف نہ کرنا چاہیئے اور ہر ارادہ کو ارادہ حق سمجھے ۔ اسکی ذات سے متعلق جو کچھ جانا ہے اور کچھ نہ جانا سب قابل ترک ہے اسلئے کہ ذات الہی کے متعلق کچھ علم نہیں ہو سکتا اس لئے علم کا خیال ترک کرنے کے قابل ہے نیز ذات الہی کے متعلق اظہار لاعلمی و جہالت یہ بھی ایک طرح کا علم ہے اسے بھی ترک کر دینا[1] چاہیئے ۔ جو شے فنا ہو جاتی ہے ۔ حق تعالیٰ خود اس شے کی جگہ پر کر لیتا ہے یعنی فانی و حادث فنا ہو جاتے ہیں ۔ اور وہی ایک باقی رہتا ہے ۔ ان بزرگوں کے نزدیک توحید سے انبساط ہئیات ہی مراد ہے یعنی کوئی ہیئت و شان کسی مخلوق کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی ۔ سب جگہ اور ہر لمحہ اسی ایک ذات قدیم کی شان جلوہ گر ہے ۔ تم کسی شے کے متعلق نہ " لی " (میرے واسطے ہے) کہنا

---

[1] حدیث شریف میں یہ دعا مروی ہے اللھم انی اعوذ بک من شر ما علمت و من شر ما لم اعلم اللھم انی اعوذ بک من شر ما عملت و من شر ما لم اعمل

اور نہ "بی" (مجھی سے وابستہ ہے) اور نہ "منی" (مجھی سے منسوب ہے)۔ اس سب کی شرح اور توحید کی حقیقت صرف یہی ایک بات ہے جو تمام اکابر صوفیہ نے فرمائی ہے یعنی "محو البشریۃ وتجرد الالہیۃ" بندہ سے اسکی بشریت کا فنا اور محو ہو جانا اور مجرد اللہ جل شانہٗ کی ذات کا باقی رہنا[1]

فصل ——————— (۷)

تقویٰ

اللہ کا تقویٰ یعنی پرہیز گاری اللہ تعالےٰ کا ادب اور خوف ہے یہی وہ شے ہے جس پر تمام نیک بختیوں کا مدار ہے۔ جبتک تمام عادتوں میں تقویٰ نہ برتا جائے بنیاد ہی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ جتنی نیک بختیاں ہیں ان سب کا محل و مقصد انجام کی بھلائی (عافیت) ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "العاقبۃ للمتقین" (ڈر والوں کیلئے ہی آخر بھلائی ہے) یہی ادب و خوف خدا ہے۔ یہ وہ اصل حقیقت ہے جس سے عمل کی بنیاد راست ہوتی اور عمارت مکمل ہوتی اور قابل قبول و پسندیدہ بنتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین (اللہ قبول کرتا ہے ادب والوں سے) علمائے ربانی جو عارف باللہ ہیں۔ ان کا اور تمام صوفیہ کا یہی قول ہے کہ اصل شئے جو قابل اعتبار ہے وہ اللہ تعالےٰ کا ادب و خوف اور پرہیز گاری ہے (یعنی تقویٰ) یہ ایسی بنیاد ہے کہ آخر دہر تک بھی منہدم نہ ہو گی۔ اسلئے کہ یہی اس دین کی

---

[1] اس باب کا ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا۔ بلکہ توضیحی کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ (مترجم)

بنیاد ہے جسکا ماننے والا ہمیشہ اسرار کے باغوں اور نعمتوں میں اوپر ترقی کرتا جاتا اور عالم جلالت و
بزرگی میں شرف کے اعلیٰ مراتب پر بڑھتا جاتا ہے۔ باطنی اور ظاہری ہر دو پہلو سے تقویٰ کی
پانچ خلعتیں ہیں جو رحمانی اور محمدی دونوں ہیں پہلی خلعت یہ ہے کہ امتثال امر اور
اجتناب مناہی کے لباس سے اعضاء آراستہ ہوں۔ دوسری خلعت قلوب کو مقامات کا
لباس پہنانا ہے۔ مقامات یہ ہیں۔ (۱) توبہ (۲) ورع (۳) زہد (۴) صبر (۵) فقر (۶) شکر (۷) خوف (۸) رجا (۹) توکل
(۱۰) رضا۔ ان کے ساتھ ساتھ سچائی۔ اللہ تعالےٰ کے واسطے بے آرامی اور غم دوام۔ صفات حمیدہ
سے آراستگی۔ صفات ذمیمہ سے دوری بھی ہونی چاہیئے۔ تیسری خلعت۔ ارواح کے لئے یہ لباس ہے
ذوق۔ محبت۔ شوق۔ ہیبت۔ انس۔ رضا و قرب۔ شکر۔ وصل۔ وصول۔ فنا و بقا۔ چوتھی
خلعت اسرار کیلئے وحدانیت کا لباس ہے۔ ہویت[1] میں توحید اور وحدانیت کی معرفت۔ یہ خلعت
انسان کامل کا وہ لباس ہے جو شریعت و طریقت و حقیقت پر مبنی ہے۔ پانچویں خلعت۔ سرالسر
کا لباس۔ یہ وہ ہے جسپر سوائے حق سبحانہ و تعالےٰ کے اور کسی کو آگاہی نہیں۔ یہ بہت بڑی خلعت ہے
اس سے مراد ہے خلعت تفرید جو دُر و جواہر سے مرصع ہے جسے یہ رب الارباب سبحانہٗ و تعالےٰ
کی بارگاہ سے عطا ہوئی وہ خلافت الٰہی کے رمز سے آگاہ ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم
اسماء کے حاصل کرنیسے خلافت ملی تھی یہ اللہ جل شانہٗ کے اسماء و صفات تھے اور اللہ جل شانہٗ
نے خود اُن کو سکھلائے تھے۔ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات و صفات کو برابر کا

---

[1] یعنی لاہوالاہو

ایک آئینہ بنا کر سامنے رکھا تھا تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جمالی و جلالی دونوں صفتوں کی تجلی کا عکس اس میں نظر آئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ فبالتجلی علم الخلق باخلاقہ وکالاتصاف بصفاتہ یعنی اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی تجلی فرمائی۔ اس تجلی سے انہوں نے اللہ کے اخلاق سے متخلق ہونے اور اس کے صفات سے متصف ہونے کا علم حاصل کیا۔ خلافت کا درحقیقت یہ راز ہے اس لئے کہ آئینہ اس ذات کا جو اس میں تجلی فرمائے خلیفہ ہوتا ہے۔

فصل ——— (۸)

خاص لوگ

تمام لوگوں میں خاص وہ ہیں جو اہلِ ایمان ہیں۔ علمائیں خاص وہ ہیں جو عارف باللہ ہیں اہل معرفت میں خاص وہ ہیں جو رضائے الٰہی پر عامل ہیں۔ ان ہی کو خلعت الٰہی ملا ہے گو ان کی روائتیں کم ہیں اور اُن کا نطق علم کے بیان سے کم آشنا ہے اور لوگوں کو ان کی حالت کی اطلاع کم ہے اور ان کا شہرہ زیادہ نہیں پس ایمان لانے سے دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ علم سے جنت میں درجے ملتے ہیں۔ معرفت سے مقعد صدق میں قربت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ عقل سے اشارہ الٰہی سمجھ میں آتا اور شفاعت کا ان کو اذن ملتا ہے علماء ربانی عارفین باللہ اور مشائخ صوفیہ کا قول ہے کہ عارف کی ایک رکعت عالم کی ہزار رکعتوں سے افضل ہے اور صاحب حقیقت توحید کا ایک نفس (یعنی ایک سانس یا کلمہ) تمام عاملوں اور عارفوں کے عمل سے افضل ہے۔

فصل ——————— (۹)

صوفیہ کی تعریف

صوفیہ وہ ہیں جو عالم باللہ ہیں۔ وہ ہر شے کو اُسی جگہ رکھتے ہیں جو اس کی ہے اور اپنے کل اوقات و احوال کو علم کی مدد سے ایک قاعدہ پر رکھتے ہیں خلق کی جو جگہ ہے وہ اسے دیتے ہیں اور حق کی جو جگہ ہے وہ اسے دیتے ہیں جو چھپانے کی چیزیں ہیں انہیں چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرنے کی ہیں انہیں ظاہر کرتے ہیں اور اپنے تمام کام حضورِ عقل و صحت توحید و کمال معرفت اور رعایت صدق و اخلاص سے انجام دیتے ہیں اور ہر شے کو برمحل رکھتے ہیں، یہی لوگ اہل طریقت و شریعت و حقیقت ہیں۔

فصل ——————— (۱۰)

ملامیتہ اور قلندریہ

صوفیوں میں ایک جماعت ہے جسے ملامتیہ کہتے ہیں۔ ان کا حال بہتر اور سچا اور ان کا مقام بڑا ہوتا ہے۔ آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اخلاص و صدق کے ساتھ متحقق و مزین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کے ساتھ فتنے اور ملامتیں چپکی ہوئی ہیں ان بزرگوں کو بھی اپنا جیسا سمجھتے ہیں مگر وہ ان جیسے نہیں ہوتے۔ اہل فتنہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگوار بھی ان کی طرح اباحتی ہیں اور غیر مباح کو معاذاللہ مباح کرتے ہیں مگر یہ اُن کی غلطی ہے یہ بزرگ ایسے نہیں ہوتے بدگمانوں کو صرف دھوکہ ہوتا ہے۔ صوفیہ میں قلندروں کی بھی ایک جماعت ہے ان کا حال بھی بہتر اور سچا ہوتا ہے۔ قلندر اور ملامتی میں فرق یہ ہے کہ سچا ملامتی اپنی عبادت کو چھپاتا۔ خیر کا

ہر دروازہ کھٹکھٹانا اور اسمیں ایک فضیلت سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اعمال و افعال کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور چھپاتا ہے بلکہ تمام حرکات و سکنات اور ہیئت و لباس میں وہ اسی طرح رہتا ہے جیسے کہ عوام الناس۔ اور ڈرتا ہے کہ کہیں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائے۔ بایں ہمہ وہ طلب مزید کا گویا شاں ہوتا اور ہر شے میں جس سے تقرب الٰہی حاصل ہو سکے وہ پوری جد و جہد وسعی کرتا رہتا ہے ایسے شخص کی پہچان یہ ہے کہ نہ تو مسلمانوں سے اپنے کسی عیب یا برائی کو وہ چھپاتا ہے اور نہ کوئی اپنی خوبی یا بھلائی انہیں دکھاتا ہے سچے قلندر کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی کوئی خاص ہیئت بنائے نہیں رکھتا اور نہ وہ کسی ایسی شے کی پرواہ کرتا ہے کہ جس سے اسکا حال کوئی جان سکے یا نہ جان سکے۔ اگر کسی شے کی طرف وہ متوجہ یا مائل ہوتا ہے تو ایسے قلب کے ساتھ جو دغا و فریب سے خالی ہو۔ یہی اسکا راس المال یعنی اصل پونجی ہے۔ یعنی اپنے رب کے ساتھ دل کا ایسا لگاؤ ہو جو نفاق کے عیب سے خالی اور طیب خاطر سے ہو اور نہ وہ اباحت کے راستہ پر جس سے مراد فریب اور دھوکہ ہے چلتا اور غیر مباح کو مباح کہتا ہے۔

فصل ــــــــــــ (۱۱)

مومن کی عزت و آبرو

جو لوگ اس طریق کے عالم باللہ اور امام ہیں مثلاً امام عبد اللہ ابن اسعد یافعیؒ وغیرہ انکا قول ہے جیسا کہ امام صاحب موصوف اپنی کتاب نشر المحاسن میں فرماتے ہیں کہ مومن کی حرمت کا لحاظ اور اسکی عظمت بہت ضروری ہے حتیٰ کہ اس سے اگر کوئی کفر کی بات صریحاً اور عمداً صادر ہو یا وہ اسلام سے مرتد ہو جائے تو بھی پناہ بخدا اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے

بلکہ برخلاف اس کے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ یقیناً اپنے فعل سے تائب ہو جائے گا پس جس شخص میں یہ بات اچھی طرح معلوم نہ ہو کہ اس نے عمداً کفر کیا ہے کیسے کوئی اس پر کفر کا الزام لگانے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ کہنے والے کے الفاظ کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں جنکا اس نے خصوصیت کے ساتھ ارادہ کیا ہو۔ اسی طرح اور بھی صورتیں ممکن ہیں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ سہواً اسکی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہوں گے یا زبان سے احیاناً کچھ کا کچھ نکل گیا ہے پس ایسے معاملات میں صبر اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ صاف صاف فرماتے ہیں کہ قتل کے مستحقین میں سے ہزار آدمیوں کو چھوڑ دینا اور قتل نہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ ایک مومن کا خون نشتر ہی سے بہایا جائے۔

فصل ——————— ۱۲)

صوفیہ کون ہیں ؟

صوفیہ یہ یہ لوگ ہیں (۱) متشبہ (۲) متشبہ بہ متشبہ (۳) صوفی سالک واصل۔ ایسا متشبہ جو صوفیہ کے طریق پر چلتا۔ ان کے طریق پر ایمان رکھتا اور ان سے محبت کرتا ہے اور ایک ایسا متشبہ بہ متشبہ جو ان کے طریق پر ایمان اور ان سے محبت رکھتا ہے۔ انہیں، لوگوں میں وہ بھی گنا جائے گا۔ جو کوئی کسی قوم سے محبت کریگا تو اس کا شمار اسی قوم میں ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ المرءِ مع من احبّ آدمی کا ساتھ اسی شخص سے ہو گا جس سے اسکو محبت ہے۔

فصل ——————— ۱۳)

اُن کی صفات

بارگاہ قدسی تک پہونچانے کے راستہ پر چلنے کے لئے صوفیہ کے سلوک ہی کو سبب بنایا جاتا ہے۔ میری مراد ان سے اہل تصوّف نہیں اسلئے کہ سلوک کا طے کرنا انہیں سے مخصوص ہے۔ سعادت ازلی نے انکی طرف سبقت کی تاکہ اللہ جل شانہٗ کا تقرب انہیں حاصل ہو اور قصد و ارادہ کی اک آگ ان کے روشن دلوں میں لگ جائے۔ نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا یعنی آتش قرب کے شوق میں وہ جل بھن گئے اور ہوائے نفس کے پردے پرزے پرزے کرکے عادت کی قید و بند سے وہ باہر نکل آئے اور شادی بیاہ۔ کھانا پینا۔ پہنا اوڑھنا۔ گھر بار۔ سواری عماری اور تمام طرح کی دنیا۔ خلق اور جاہ کے خطوط سے ہاتھ اٹھا لیا جو سب سے زیادہ مشکل کام تھا۔ یہی نہیں بلکہ ماسوائے اللہ سے وہ بالکل دست بردار ہو گئے اور صرف ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ کو اپنا مطلوب و مقصود قرار دیا۔ نیند چھوڑی۔ بات کرنا چھوڑا۔ دلوں میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور پیٹ اور سینہ کے اندر کے اعضا سے اس کے شعلے اٹھنے لگے۔ ہوائے نفس اور خودسری جس میں جتنی تھی اتنی ہی انہیں یہ آگ کم یا زیادہ تھی۔ بعض ایسے تھے کہ جن میں محبت کی آگ شعلہ مارنے لگی اور خواہشات نفس کے جلنے نے انہیں بیقرار اور بیماری عشق نے بے آرام کر دیا۔ پس ان کو قرار رہا نہ سکون اور جنگلوں اور میدانوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ ایسے کچھ لوگ ویرانوں میں اپنے آباد قلب لیکر رہ پڑے اور بعض نے دل زندہ کیسا تھ مُردوں کے ہمراہ قبروں میں اپنا گھر بنایا اور اسی اضطراب کے باعث جنگل کے جانوروں سے انہوں نے انس پکڑا اور جب دنیا کی ویرانی پر ان کی نظر پڑی تو مُردوں کے گھر کو اپنے لئے گھر بنایا۔ کسی نے پوچھا آپ کا آنا کہاں سے ہوا ہے؟ کیا اس قافلہ کے پاس

سے جو یہاں خیمہ زن ہے، آپ نے اس قافلہ کے لوگوں سے کیا باتیں کیں اور انہوں نے آپ سے کیا کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم نے اہل قافلہ سے پوچھا کہ یہاں سے کب ڈیرہ اٹھاؤ گے تو کہا جب تم یہاں آکر ڈیرہ ڈالو گے۔ کسی نے پوچھا ان قبروں میں تم کیوں رہتے ہو۔ کہا ایسے لوگوں کے ہم ہمسایہ ہیں کہ جب ہم آتے ہیں تو ہمکو ستاتے نہیں اور جب نہیں آتے تو کوئی غیبت نہیں کرتے۔ کسی شخص نے اسی جماعت کے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہاری جائے قرار وجائے پناہ کہاں ہے جواب دیا کہ ایسے گھر میں جہاں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں پھر پوچھا آپ کا مکان کہاں ہے۔ کہا قبروں میں۔ پوچھا رات کی تاریکی سے تو آپ کو وحشت و پریشانی نہیں ہوتی۔ کہا جب میں لحد کے اندھیرے میں اور قبر کی وحشت کو یاد کرتا ہوں تو رات کی وحشت و تاریکی مجھے حقیر معلوم ہوتی ہے۔ پوچھا کبھی تم نے قبروں میں کوئی خراب اور متوحش چیز دیکھی۔ فرمایا ہاں کبھی کبھی مگر آخرت کی ہول ایسی تھی کہ اس نے قبروں کی طرف مشغول ہونے نہ دیا۔

فصل ——— (۱۴)

علم قلب

قلب کے متعلق جو معلومات ہیں وہ نمونہ کے طور پر کچھ یہاں اگر بیان کی جائیں تو یہ ہونگی کہ دل ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ تندرست ہے تو کل بدن تندرست ہے اور اگر اسمیں خرابی ہے تو اسکی وجہ سے سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اس شے کو قلب کہتے ہیں۔ حدیث مصطفوی محمدی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ اس کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ جو مقلب القلوب ہے

جیب اور جیسا چاہتا ہے اُسے اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ اسکے پلٹ دینے سے یہ بہت جلد پلٹ جاتا ہے۔ یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ ان القلوب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن یقلبھا کیف یشاء یعنی آدمیوں کے دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہیں جیسا چاہتا ہے انہیں اُلٹتا پلٹتا ہے۔ اس نے انسان کے قلب میں دو عالم پیدا کئے ہیں ایک عالم غیب دوسرا عالم شہادت۔ یہ دونوں روح وجسد ہیں۔ ان دونوں کے میل سے اُسنے دل کو پیدا کیا جسکی صورت تو جسمانی ہے اور روح روحانی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کو انہیں دو عالموں سے تعبیر کیا ہے اسلئے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں۔ لطف و قہر کی دو صورتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ان القلوب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ان شاء اقامھا وان شاء ازاغھا یعنی آدمیوں کے دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں میں ہیں اگر اسنے چاہا تو اسکو سیدھا رکھا اور اگر چاہا تو کج کر دیا یعنی اگر چاہتا ہے تو صفات روحانیہ کو غالب کر کے بارگاہ عزت کی طرف اس کا منہ کر کے سیدھا کھڑا کر دیتا ہے۔ اور اگر چاہتا ہے تو صفات حیوانیہ کو غلبہ دیکر اس کا رُخ کج کر دیتا ہے یعنی حق سے پھیر کر دنیا اور اس کے شہوات کی طرف اس کا منہ کر دیتا ہے تاکہ دنیاوی لذتوں سے پورا تمتع کرے اور جاہ و مراتب کا خواہاں ہو۔ اللہ جل شانہٗ کی یہ عادت ہے کہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم وہ کسی قوم کی حالت وہ نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے اور کسی کو جاہ و بلندی نہیں بخشتا تاوقتیکہ بندہ خود اپنے جسمانی افعال میں ترفع اور بلندی

نہ پیدا کرے چنانچہ وہ فرماتا ہے واذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم لما تؤذوننی وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبہم[۱] یعنی جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر جب وہ پھر گئے تو اللہ نے بھی ان کے دل پھیر دیئے یعنی ایمان سے۔ یہی اقامت قلب (یعنی ایمان کی طرف دلکو پھیر دینے) کا بھی حال ہے یہ بات اسوقت حاصل ہوتی ہے جبکہ تصفیہ قلب میں بندگی کی شرطیں بجالائی جائیں اسسے مقامات کسبیہ پر جلد جلد ترقی کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جس سے وھبی احوال کیلئے آمادگی اور استعداد اور انفاس غیبی کے جو وھبی احوال سے زیادہ رقیق و لطیف ہیں ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ انفاس غیبی اسوقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ قلوب پر لطائف غیب کی ہوا چلے، صاحب انفاس صاحب احوال سے زیادہ رقیق تر اور صاف تر ہوتا ہے۔ مبتدی صاحب مقام و وقت ہوتا ہے اور منتہی صاحب انفاس اور صاحب احوال کا درجہ ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ یعنی احوال کا تعلق اوسط درجہ سے ہے۔ اور انفاس کا ترقی کی نہایت سے۔ صاحب قلب کیلئے اوقات ھیں۔ صاحب احوال کیلئے احوال۔ اور صاحب اسرار و سرائر کیلئے انفاس۔ تمام عارفوں کا اتفاق ہے کہ سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ انفاس کو لگائے رکھنا۔ حفظ انفاس مع اللہ ہے پس جب سانس اندر جائے اور باہر نکلے تو اللہ کے نام کے ساتھ آئے جائے یعنی ہر سانس کے ساتھ تم اللہ اللہ یا لا الہ الا اللہ کا

---

[۱] سورہ صف رکوع (۱)

ذکر جاری رکھو۔ یہ ذکر خفی ہونا چاہئے جسمیں ہونٹھ نہ ہلیں۔ ہماری مراد یہ ہے کہ حفظ انفاس مع اللہ (یعنی کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ جائے) سب سے بڑی عبادت ہے۔ بدن کی سانس کا باہر آنا اور اندر جانا بالکل اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکی یاد اور ذکر کے ساتھ ہو تمام اعمال کا یہ جوہر ہے اور اسرار و انوار الٰہی کے معارف اسکا ثمرہ ہیں۔ اسکا شمار مقامات میں ہے۔ لیکن وہ انفاس جو زیادہ رقیق اور صاف تر ہیں احوال میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ امور غیبی بدنی۔ روحانی اور وہبی سب اپنی اپنی نہروں سے جاری ہو کر آتے ہیں یختص برحمتہ من یشاء اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے۔ ایسے شخص کے حق میں وہ فرماتا ہے وعلمناہ من لدنا علما[1] ہم نے اسکو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا یعنی عالم غیب سے ساحات قلب پر جو مشاہدے اور مکاشفے ہوتے رہتے ہیں وہ علم اُنسے مستعار ہوتا ہے تاکہ مقلب القلوب کی طرف دل متوجہ ہو کر آرام پائیں۔ یہ سب بڑی باریک باتیں حقیقتیں اور لطیفے ہیں اور عاشق کے لئے جو خود بھی محبوب ہوتا ہے اور یحبھم[2] و یحبونہ کے سرچشمے سے مدد پاتا رہتا ہے ان میں قلب کا چین اور آرام ہے۔ ایسے شخص کی روح کا سر (بھید) ہمیشہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں جو مقلب القلوب ہے معتکف ہو کر قرار میں رہتا ہے

فصل ــــــــ ۱۵

مقامات

دس مقامات کسبیہ یہ ہیں جن سے اللہ وہاب کی قدرت سے دس احوال پیدا ہوتے ہیں

---

[1] سورہ کہف رکوع ۲ ، [2] اللہ انکو چاہتا ہے اور وہ بھی اللہ کو چاہتے ہیں۔ سورہ مائدہ رکوع ۱۳

جو سب دیکھی ہیں۔

پہلا مقام توبہ ہے۔ جسنے توبہ نہیں کی اسے کوئی مقام نصیب نہ ہوا۔ شیخ عارف باللہ ذوالنون مصری کی توبہ کا سبب اس واقعہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی حقیقت و اصلیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں مصر سے نکل کر کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں نیند لگی۔ سو گیا۔ جب آنکھ کھُلی اور بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایک قنبرہ عمیاء[۱] ہے جو ایک درخت پر سے نیچے گری ہے۔ اتنے میں زمین پھٹی اور اسمیں سے دو کٹورے نکلے۔ ایک سونے کا اور ایک چاندی کا ایک میں کنجد (تل) تھے اور دوسرے میں پانی تھا۔ میں نے ایک میں سے کچھ کھایا اور دوسرے میں سے پانی پیا اور کہا کہ بس میرے لئے اتنا کافی ہے۔ اس کے بعد میں نے اللہ جل شانہٗ کا در پکڑ لیا اور اسوقت تک نہ چھوڑا جبتک کہ قبول نہ کر لیا گیا۔

دوسرا مقام ورع و پرہیز گاری کا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا جو حضرت ابراہیم ادھمؒ ایک کھجور واپس کرنے کیلئے بیت المقدس سے بصرہ آئے اور حضرت بایزید طیفور بن عیسٰی بن سروشان بسطامیؒ بسطام سے ہمدان آئے کہ ایک چیونٹی کو جو نبولوں کے ساتھ جو انہوں نے خریدے تھے چلی گئی تھی اسکے مقام پر واپس پہونچا دیں۔ فرماتے تھے کہ میں نے اسکو وطن سے پردیس کر دیا ہے۔

تیسرا مقام زہد (بے رغبتی) کا ہے۔ یعنی حرام سے بچنا۔ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے ایک حکایت ہے کہ پُرانے زمانے میں یمن کے دو بادشاہوں میں جنگ ہوئی۔ ان میں ایک دوسرے پر

---

[۱] فن پر پیش ہے۔ یہ اک چڑیا ہے جسے لوا کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

غالب آیا اور اپنے حریف کو اسے قتل کیا اور اسکے ہمراہیوں کو بھگا دیا۔ یہاں مفتوحہ مقام پر اسکے لئے تخت آراستہ کیا گیا، اور شاہی محل سجایا گیا اور لوگ اسکا داخلہ دیکھنے کیلئے جمع ہوئے ابھی وہ اس راستہ پر تھا جو شاہی محل کی طرف جاتا تھا کہ ایک شخص کو جسے لوگ اچھا اور بزرگ سمجھتے تھے اسکے واسطے کھڑا ہوا منتظر پایا۔ جب بادشاہ اسکے قریب پہونچا تو اُسنے یہ شعر پڑھے

فانک فیھا بین ناہ وآمر — تسمع من الایام ان کنت حازماً

وعهدی به بالامس فوق المنابر — وکم ملک قد رکم التراب فوقه

بلاغك فیها مثل زاد المسافر — إذا کنت فی الدنیا بصیراً فانما

فما فاته منها فلیس بضائر — إذا أبقت الدنیا علی المرء دینه

یعنی اگر تم صاحب حزم و احتیاط ہو تو سنو کہ زمانہ زبان حال سے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تم اس حال میں ہو کہ بعض باتوں سے تمکو منع کرتے ہیں اور بعض کا حکم دیتے ہیں۔ بہت سے بادشاہ ہیں کہ ان کی قبروں پر مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ کل ہی کا دن تھا کہ میں نے ان کو منبروں پر بیٹھے دیکھا تھا۔ اگر اس دنیا میں تمہیں کچھ چشم بصیرت عطا ہوئی ہے تو تمہارے پاس حاجت روائی کے لئے ایک مسافر کے سامان سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ اگر اس دنیا نے کسی آدمی کے دین کو سلامت چھوڑ دیا تو وہ کافی ہے جسقدر نہ ملا نہ سہی اس میں کوئی نقصان نہیں۔

بادشاہ نے کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ یہ کہکر وہ گھوڑے سے اُترا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور اپنے لوگوں کو قسم دلا کر کہا کہ کوئی میرے ساتھ نہ آئے۔ اسکے بعد پھر کسی نے اسکو نہیں دیکھا یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسپر رحم فرمایا۔

چوتھا مقام صبر کا ہے :۔ حکایت ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے تئیں شب بیداری پر آمادہ کرلیا تھا اور صبر کے ساتھ اس حالت پر اس قدر قائم رہے کہ شب بیداری انکی عادت ہوگئی اور جتنے عرصہ تک اللہ جل شانہٗ نے چاہا۔ وہ اس حالت پر قائم رہے۔ ایکبار نیند نے بہت غلبہ کیا۔ جب سوگئے تو خواب میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کو دیکھا۔ اسکے بعد وہ نیند کو کوشش کر کرکے بلاتے تھے۔ کسی نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا ؎

رائیت سرور قلبی فی منامی ؛ فاجبت التنفس و المناما

یعنی میں نے خواب میں اپنے دل کے سرور کو دیکھا اسلئے اب مجھے خرّاٹے لینا اور سونا محبوب ہے کہ شاید اس کا دیدار نصیب ہوجائے۔

پانچواں مقام فقر کا ہے۔ کسی درویش کی حکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عسقلان میں تھے کہ ایک جوان ہمارے پاس آتا اور باتیں کیا کرتا اور جب فارغ ہوتا تو نماز کیلئے کھڑا ہوجاتا۔ ایکدن ہم سے رخصت ہونے لگا اور کہا میں اسکندریہ جارہا ہوں۔ میں نے اُسے کچھ درہم دیئے مگر اسنے لینے سے انکار کیا۔ میں نے بہت اصرار کیا تو اُسنے اپنی کشتی سے تھوڑی ریت لیکر سمندر کے پانی میں گھولی اور کہا یہ لو تم تو پیو۔ بہت میٹھا ہے۔ پھر کہا جسکا یہ حال ہو اور ایسی چیزیں اسکی زادراہ ہوں اسے تمہارے درہموں کی کیا ضرورت ہے۔ ایک اور درویش کی حکایت ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور حکم ہوا کہ محمدؒ بن واسع اور مالک بن دینار کو جنت میں لیجائیں۔ کہتے ہیں۔ میں نے دیکھنا چاہا کہ کون پہلے جاتا ہے۔ میں نے یہ دیکھا کہ محمدؒ بن واسع آگے آگے تھے میں نے اسکا سبب پوچھا تو کہا گیا

کہ ان کے پاس ایک ہی کرتہ رہتا تھا اور مالکؒ بن دینار کے پاس دو کرتے تھے (یعنی ضرورت سے زیادہ کوئی شے رکھنا اخروی حساب کتاب میں نقصان پہونچاتا اور مرتبہ کو گھٹا دیتا ہے)

چھٹا مقام شکر کا ہے۔ عارفوں کا قول ہے کہ شکر یہ ہے کہ زبان سے نعمت کا اعتراف کیا جائے اور جسم سے خدمت (خلق و خالق) بجا لائی جائے حکایت ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت ہوئی تو انہوں نے حیات مانگی کسی نے اسکا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا تاکہ میں اس نعمت کا شکرادا کروں۔ اس سے پہلے جو عمل کرتا تھا وہ مغفرت کیلئے کرتا تھا اب جو کروں گا تو شکر کے لئے کروں گا۔ پس فرشتوں نے اپنے پر پھیلا دیئے اور آپ کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔

ساتواں مقام خوف کا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سانس لیتے تھے تو اس سے بھنے ہوئے جگر کی بو آتی تھی۔ ایک بزرگ کی حالت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر خلوت میں انپر خوف کی حالت پیدا ہوتی تو بازار چلے جاتے اور جبتک سکون نہ ہوتا نہیں رہتے۔ پھر جب اس حالت میں ثبات وقیام پیدا ہوا تو لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کی اجازت ملی۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھے اور فیضیاب ہوئے ایسا ہی ایک اور صاحب کا ذکر ہے کہ جب انپر حال غلبہ کرتا تو گھوڑے پر سوار ہوتے اور گھر تشریف لاتے اور اپنے بیوی بچوں کے پاس بیٹھتے اور سکون حاصل کرتے۔

آٹھواں مقام رجا (امید) کا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ[۱]

---

[۱] سورہ زمر رکوع (۶)

(اللہ کی مہر سے آس نہ توڑو) نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے ورحمتی وسعت کل شیءٍ[1]

(اور میری مہر ہر چیز کو شامل ہے) ایک فقیہہ کی حکایت ہے کہ وہ ایک زمانہ میں قاضی کی

کچہری کے وکیل تھے۔ آخری زمانہ میں قرآن پاک پڑھتے اور اپنا منہ اس سے رگڑا کرتے تھے

ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ

کیا کیا۔ کہا مجھ سے فرمایا۔ اے برے بڈھے تو میرے پاس ہلاکت میں ڈالنے والے گناہوں

کی یہ پوٹلی لیکر آیا ہے۔ عرض کیا۔ اے میرے رب تیرے متعلق لوگوں نے مجھ سے

جو کہا تھا وہ یہ نہ تھا۔ فرمایا تجھ سے کیا کہا تھا۔ عرض کیا "کرم" تو کریم ہے۔ گناہوں کو

نہیں دیکھتا۔ کرم فرمایا کرتا ہے۔ ارشاد ہوا۔ جا میں نے تجھے بخش دیا یعنی اللہ جل شانہٗ کے متعلق

ہمیشہ گمان نیک رکھو۔

نواں مقام اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسہ کرنا ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے ومن یتوکل

علی اللہ فھو حسبہٗ[2] (جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اسکو بس ہے) علماء کہتے ہیں کہ

جب کوئی امر اللہ جل شانہٗ کے سپرد کر دیا جائے تو بس اللہ اس کے لیئے کافی اور تمام دنیا و آخرت

کی تکلیفوں سے نجات دلانے والا ہے۔ توکل سے مراد ہے ترک تدبیر نفس اور حول وقوت سے

انخلاع یعنی اپنی حکمت اور تدبیر پر نتیجہ کار کا دار مدار نہ سمجھنا اور اپنی طرف کسی زور وقوت

کو منسوب نہ کرنا۔

دسواں مقام رضا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ[3] (اللہ راضی ہوا ان سے

---

[1] سورہ اعراف رکوع ۱۹۔ [2] سورہ طلاق رکوع ۱۔ [3] سورہ مایدہ رکوع ۱۶

اور وہ راضی ہوئے اس سے) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دنیا میں جو اس پر راضی ہوا کہ اللہ، اس کا پروردگار اور اسلام اس کا دین ہے تو اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔

یہ دس مقامات ہیں ان کے بعد صرف اب مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر ہے۔ مشائخ حال کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ حال وہ معنوی شے ہے جو بغیر کسب و کوشش کے آتی ہے مثلاً طرب وحزن۔ قبض و بسط شوق و بے قراری۔ ہیبت و ولولہ۔ احوال وہبی شے ہیں اور مقامات کسبی۔ احوال عین واجب الوجود کے حضور سے آتے ہیں۔ اور مقامات ریاضت وجد وجہد سے حاصل ہوتے ہیں۔ صاحب مقام اپنی جگہ متمکن ہوتا ہے اور صاحب حال اپنے حال میں ترقی کرتا رہتا ہے۔

فصل ——— (۱۶)

احوال

اب وہ احوال بیان کئے جاتے ہیں جو مندرجہ بالا دس مکاسب یعنی کسب شدہ مقامات سے متمر ہوتے ہیں ان احوال کی اصل جس پر ان کی بنیاد قائم ہے اور جس کے بغیر یہ کبھی درست نہیں ہو سکتے محبت ہے جس طرح مکاسب کی اصل (جڑ) توبہ ہے اسی طرح احوال کی اصل (جڑ) محبت ہے جس نے توبہ نہیں کی اسے مکاسب کے مقامات میں سے کوئی مقام نہیں ملتا اور جس نے محبت نہیں کی اسے احوال میں سے کوئی حال نصیب نہیں ہوتا جب یہ دونوں توبہ اور محبت کمال کو پہونچ چکتے ہیں تب مقامات واحوال کی بنیاد ان پر

قائم ہوتی ہے جس نے سچی اور پکی توبہ صدق نیت سے کی اور اس کے قلب میں حزن پیدا ہوا تو اللہ جل شانہ کی محبت کا پھل اس درخت میں لگے گا ۔ یہ ثمرہ ایک حالت ہے جو بندہ اپنے قلب میں پائے گا ۔ الفاظ میں یہ کیفیت ادا نہیں ہو سکتی مگر اللہ جل شانہٗ کی تعظیم اور اسکی رضا کو سب پر مقدم رکھنے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے ۔ ایسا شخص خدائے عز وجل سے غفلت برداشت نہیں کر سکتا ۔ اسکے دل کا ولولہ اللہ عز اسمہٗ ہی کی طرف زور پکڑتا ہے اور اسکے بغیر اسکو آرام و سکون نہیں ملتا ۔ اس کے قلب میں اک ذکر دوام پیدا ہو جاتا ہے ۔ جس سے اس کے انس کا پتہ چلتا ہے ۔

جسنے دوسرے مقام یعنی ورع کو صدق دل سے اپنے اندر پختہ جگہ دی اور دل اس سے متأثر ہوا تو اس سے ایک حال جو وہبی ہے مثمر ہو گا ۔ اسکو شوق کہتے ہیں ۔ صوفیہ کے نزدیک شوق سے مراد ہے اعضائے باطنی کی سوزش اور جگر کی آگ کا بھڑکنا ۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں ایک جذبہ وجد کے ساتھ قلب کا راحت حاصل کرنا اور قرب الٰہی کے ساتھ دیدار الٰہی کی محبت کا جوش مارنا ۔

جسنے تیسرا مقام جو زہد ہے صدق نیت و قلب و درد دل سے پختگی کے ساتھ حاصل کر لیا تو اس پر عطائے الٰہی سے ایک حال وارد ہو گا جسے ہیبت کہتے ہیں یہ بالکل وہبی شئے ہے ۔ اس سے مراد ہے اللہ جل شانہ کی عظمت و جلال کے ظہور سے بندہ پر خشوع و خضوع کی ایک کیفیت کا پیدا ہونا ۔

جسنے چوتھے مقام یعنی صبر کو صدق نیت و قلب و درد دل سے مستحکم کر لیا اسے اللہ

جل شانہ کی طرف سے ایک حال عطا ہوتا ہے جسے اُنس کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک اُنس سے مُراد ہے ہیبت کے باقی رہنے کے باوجود رُعب اور خوف کا اٹھ جانا۔ اللہ جل شانہ سے اُنس ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جتنی اسمیں زیادتی ہوتی ہے اتنی ہی محبت و ہیبت میں زیادتی ہوتی ہے۔ یعنی محبت اور ہیبت کا زیادہ ہونا بتاتا ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے اُنس زیادہ ہے۔

جنے پانچویں مقام کو جسے فقر کہتے ہیں صدق و خوش نیتی اور دل کے تاثر سے مضبوط و مستحکم کیا اسے دہاب مطلق کی طرف سے ایک حال نصیب ہوتا ہے جسے حالت قرب کہتے ہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (یعنی سجدے کرو اور قربت حاصل کرو) قرب کے معنی ہیں بندہ کا پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اسکی تصدیق کرنا اور اس طرح اس سے نزدیک ہونا۔ اسکے بعد اپنے احسان و تحقیق یعنی نیک اعمال و تحقیق و نیک افکار سے قربِ الٰہی حاصل کرنا۔ قرب حق سے آج کے دن یعنی دار دنیا میں عرفان حق خصوصیت کے ساتھ نصیب ہوتا ہے اور کل کے دن یعنی یعنی آخرت میں مشہود و حق و عیاں سے سرفرازی ہوتی ہے اور اس دوران میں اسطرح طرح کی مہربانیاں اور احسانات ہوتے رہتے ہیں۔

جنے چھٹا مقام یعنی مقام شکر صدق نیت اور درد دل سے حاصل کرکے مضبوط و مستحکم کرلیا اسے جو وہی حال عطا ہوگا اُسے حالت حیا کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے دل میں ہیبت الٰہی کا راسخ ہونا اور اسکے ساتھ ساتھ ان تمام چیزوں سے جو تم اپنے رب

کے حضور میں پیش کر چکے ہو ایک طرح کی بے التفاتی اور برات ظاہر کرنا۔ یعنی جو نیک عمل اسکی جناب میں پیش کر چکے ہو ان کی کوئی وقعت نہ سمجھنا اور ان کے خیال آنے سے شرمانا اور بیزار سا ہونا۔

جسنے ساتواں مقام۔ جسے مقام خوف کہتے ہیں صدق نیک وخلوص اور تاثیر دل سے مضبوطی کے ساتھ حاصل کرلیا۔ اسپر جو وہبی حال طاری ہوگا اسے حالت سکر کہتے ہیں صوفیہ ہن سے سطوت حال کا غلبہ مراد لیتے ہیں۔

جسنے آٹھواں مقام یعنی مقام رجا صدق نیت خلوص قلب و درد و تاثر دل سے پختہ طور پر حاصل کرلیا۔ اسے جو حال خدائے وہاب کی طرف سے عطا ہوتا ہے اسے وصول کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک واصل وہ ہے جو اپنے خالق کے سوا کسی دوسرے کو نہ دیکھے۔ کسی اور کا شہود ہی اسے نہ باقی رہے اور اپنے بنانے والے کے سوا اور کسی کا خطرہ وخیال ہی اسکے باطن کے قریب نہ آئے۔ مشائخ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بندہ کو اور کسی کا دھیان نہ آئے۔ ہمہ وقت اللہ ہی کا شغل رہے اور اس کے سوا اور کسی طرف وہ رجوع نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ وصول سے مراد ہی مشاہدات اسرار سے مکاشفات قلوب کا جلوہ گر ہونا۔ جو واصل ہوتا ہے اُسے کوئی شے حق تعالیٰ سے محجوب نہیں کرسکی۔ وہ ہر شے میں اسی کو دیکھتا ہے۔

جسنے نواں مقام جسے مقام توکل و توحید کہتے ہیں صدق نیت خلوص قلب و درد دل سے پختگی کے ساتھ حاصل کرلیا اسے جو حال کی نعمت بخشی جائے گی اسے حالت فنا کہتے ہیں

صوفیہ کے نزدیک فنا سے مراد ہے تمام اوصاف ذمیمہ کا فنا اور دور ہو جانا۔ مشائخ
رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ فنا سے مراد ہے اشیأ سے غیبت واقع ہونا جیسے کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام اسوقت فنا اور غائب از غیر تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی۔
اور جسنے دسواں مقام جسے مقام رضا کہتے ہیں سچائی سے اور حسن نیت
اور خلوص دل سے متاثر ہو کر مستحکم و مضبوط کیا اسے جو حال عطا ہوگا اُسے مقام بقا
کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک بقا سے مراد ہے صفات مذمومہ کے دور ہونے کے بعد صفات
محمودہ کا باقی رہنا۔ بعض مشائخ عارفین کہتے ہیں کہ صاحب بقا وہ ہے جو ایسے مقام
پر ہو جہاں نہ خلق سے حق تعالیٰ اسے حجاب میں رکھے اور نہ حق تعالیٰ سے خلق
اس کو حجاب میں رکھے۔ بخلاف فنا کے کیونکہ جو فانی ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ میں اسقدر
مستغرق ہوتا ہے کہ خلق کی اُسے خبر بھی نہیں ہوتی۔

فصل ——— (۱۷)

معرفت سلوک

اس فصل میں قلبی مقامات کے سلوک اور رستوں کی معرفت کا ذکر ہے۔ یہ ان تین چیزوں
شریعت و طریقت و حقیقت پر مشتمل ہے۔ صوفیہ کے نزدیک شریعت ایک کشتی ہے اور طریقت
ایک سمندر اور حقیقت ایک موتی۔ جسے موتی کی طلب ہے اُسے اس کشتی پر سوار ہونا ضرور ہے
پھر سمندر کا راستہ اختیار کرے اور موتی تک پہونچے۔ جو اس کشتی پر سوار نہ ہوگا وہ موتی تک نہیں
پہنچے گا۔ پس طالب کے لئے جو سب سے پہلے واجب ہے وہ شریعت کا اتباع ہے۔ شریعت

مُراد ہیں وہ احکام جو اللہ اور رسولؐ نے وضو۔ نماز و روزہ۔ ادائے زکوٰۃ۔ حج۔ طلب حلال و ترک حرام وغیرہ کے متعلق دیئے ہیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ لباس شریعت سے اپنے تئیں ظاہرا بھی اتنا مزیّن کرے کہ ظاہر شریعت کا نور اسکے قلب میں پیدا ہو جائے اور قلب سے بشرّیت کی ظلمت دور ہو۔ اسکے بعد سلوک کے طریقہ کو اختیار کرنا اور قلب کی منزلوں میں اُترنا ہے۔ طریقہ سے مراد ہے تقویٰ اور قطع منازل و مقامات کے وہ سب لوازمات جو تمہیں اللہ جل شانہ سے قریب کرنے والے ہیں۔ ہر مقام کا ایک راستہ اور طریقہ ہے۔ مگر یہ راستہ کونسا ہے اور طریقہ کیا ہے باہم مشائخ میں مختلف فیہ ہے۔ یعنی مشائخ کے تربیت کے طریقے مختلف ہیں۔ ہر شیخ نے اپنے ہی انداز پر یعنی جسپر وہ خود ہے اپنا طریقہ وضع کیا ہے۔ مگر ان کے حالات میں احوال و مقام دونوں ہیں مثلاً بعض لوگوں میں بیٹھکر ان کی تربیت کرتے ہیں۔ بعض کے طریقہ میں نماز کی کثرت اوراد اور روزہ اور دیگر عبادتیں بہت ہیں۔ بعض نے خدمت خلق کا طریقہ اختیار کیا ہے مثلاً لکڑیاں اٹھانا، سوکھی گھاس پیٹھ پر لاد کر بازار میں لانا اور اسے فروخت کرکے جو دام آئیں وہ سب خیرات کر دینا۔ علی ہذا القیاس ہر اک نے اپنا اپنا ایک طریقہ تربیت رکھا ہے مگر حقیقت سب کی صرف ایک ہے[1] یعنی مقصود کا ملنا اور نور تجلّی کا مشاہدہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہؓ سے فرمایا تھا کہ لکل حق حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانک یعنی ہر حق شے کی ایک حقیقت ہے۔ بس تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا صرفت نفسی عن الدنیا فاستوی عندی حجرھا ومدرھا وذھبھا

---

[1] دیکھو مثنوی مولانا روم دفتر اول تحت عنوان "اختلاف در صورت روش است نہ در حقیقت

و فضتها و اطمئنت نهاری و اسہرت لیلی یعنی میں نے دنیا سے اپنے جی کو ہٹا لیا اور پتھر اور ڈھیلا اور سونا چاندی سب میرے نزدیک برابر ہو گئے۔ میں نے اپنا دن پیاسا رکھ اور رات جاگ کر کاٹی۔ پس طریقت سے مراد ہے اللہ کے دین پر تمسک۔ اسکی شریعت پر قیام اور وہ راستہ اختیار کرنا جو احتیاط سے قریب تر ہو۔ عزم قوی اور ارادہ پختہ رکھنا کہ رات جاگ کر نماز و تلاوت و اوراد میں گذرے اور دن روزوں میں کٹے اور نفس سے اسکی خواہشیں دور رہیں اور حقیقت سے مراد ہے احوال آخرت کا انکشاف اور اس کا وجدان نصیب ہونا۔

فصل ———— (۱۸)

معرفت وقت

اس فصل میں معرفت وقت کا بیان ہے۔ وقت سے صوفیہ کی مراد وہ حال ہے جو اسیوقت موجود ہو یعنی آدمی سرور میں ہے تو اس کا وقت سرور کا ہے اور اگر حزن میں ہے تو اس کا وقت حزن کا ہے۔ عارفوں کا قول ہے کہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے سامنے ہے اس میں اس طور پر مشغول رہتا ہے کہ قلب کو ماضی و مستقبل سے تعلق نہ ہو۔ اگر ماضی و مستقبل سے تعلق ہوگا تو اس کا وقت فوت ہو جائیگا وقت کی رعایت کرنا سب سے اولیٰ ہے اسلئے کہ صوفی کسی دوسرے زمانہ سے نہیں بلکہ زمانہ حال اور وقت حاضر کے ساتھ مکلف ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ صوفی اپنے وقت کے حکم میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اسوقت جو کچھ اللہ کی طرف سے قضا و قدر کا حکم اس کے حق میں جاری ہے

اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا - عارفوں کا قول ہے کہ وقت شمشیرِ بُرّان ہے یعنی قضا و قدرِ الٰہی جو فی الوقت اسپر جاری ہے اسکے خلاف جانا ممکن نہیں ۔ سیف قاطع یعنی شمشیر برّاں سے یہ مراد ہے ۔

فصل ــــــــــــ (۱۹)

مقامات کی شناخت

اس میں منزلوں کے مقامات کی پہچان کا ذکر ہے ۔ منزلیں مختلف ہوتی ہیں ۔ پہلی منزل اتباع اوامر اور ترک مناہی اور آخری منزل نفسوں کے عیوب کا جاننا پہچاننا ہے یعنی جو باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُری ہیں وہ عیوب ہیں ان سے نفس کا پاک ہونا لازمی ہے ایسے عیب بہت ہیں ۔ ان میں سب سے بڑا یہ ہے کہ جو عبادتیں آدمی نے کی ہیں اُنہیں خود پسندی کی نظر سے دیکھے ۔ منزلیں بہت ہیں اُنہیں شمار کیا جائے تو بہت طول ہوگا ۔ سالک کے لئے لازم ہے کہ جبتک ایک مقام کے تمام لوازم پورے نہ ہو جائیں اسے ترک کر کے دوسری جگہ کا قصد نہ کرے ، اگر تمام شرطوں کو پورا اور مقام کا حق ادا کئے بغیر اسے چھوڑ دیگا تو اسکی مثال اس بیمار کی سی ہوگی جو اصلاح خلط کے قبل مسہل پی لے ۔ اس حالت میں مسہل سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ خرابی بڑھ جائے گی ۔

لہ پیام مشرق میں اقبال کی ایک نظم "نوائے وقت" ہے جس کے چند مصرعے یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔
وقت کہتا ہے کہ ۔ من تیغ جہاں سوزم من چشمۂ حیوانم ؛ من آتش سوزانم من روضہ رضوانم
من کسوت انسانم پیراہن یزدانم ؛ از جان تو پیدایم در جان تو پنہانم

فصل ——————(۲۰)

معرفت حال

یہ فصل حال کے پہچان میں ہے۔ حالؔ کے لام پر تشدید ہے اور اس سے مراد ہے وہ شے جو قلب پر نازل ہو مثلاً طرب۔ قبض۔ بسط۔ شوق۔ ذوق یا ان کے علاوہ کوئی اور کیفیت۔ عرفا کا قول ہے کہ حال کی مثال بجلی کی سی ہے۔ ادھر آئی اُدھر گئی۔ اسیطرح یہ باقی نہیں رہتا اور جلد زائل ہوجاتا ہے۔ اگرکسی میں کوئی چیز باقی رہی تو وہ حدیث نفس ہوگی۔ حال نہ ہوگا۔

قبض وبسط۔ احوال میں داخل ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے امید وبیم لیکن امید وبیم (خوف رجا) مکاسب ہیں۔ لہذا وہ مقامات ہیں اور قبض و بسط مواہب ہیں۔ امید وبیم عام وخاص دونوں کیلئے ہیں اور قبض وبسط صرف خوص کیلئے۔ چونکہ قبض وبسط کا شمار احوال میں ہے اسلئے وہ مواہب میں داخل ہیں مکاسب میں نہیں۔ نیز قبض وبسط کا تعلق زمانہ حاضر سے ہے۔ قبض کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر ایک شے وارد ہوتی ہے جس میں کسی کوتاہی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور اس کو تاہی یا تقصیر پر تادیب ضرور ہوتی ہے۔ بسط سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر ایک ایسی شے کا وارد ہونا جس میں اسکے لطف وکرم فرمائی اور نوازش کی طرف اشارہ ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی پر قبض وبسط کی صورت پیدا ہوتی ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے جب ایسی صورت پیش آئے تو صبر وتسلیم سے کام لینا چاہیئے۔ یہاں تک کہ یہ وقت گذر جائے۔

ہیبت وانس بھی احوال ہیں۔ ہیبت قبض کے مانند ہے لیکن یہ اس سے شدید تر ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر ایک شدید تہدید وعتاب کی طرح وارد ہوتی ہے اسیطرح انس بسط کے مشابہ بلکہ اس سے قوی تر ہے۔ یہ کیفیت اللہ تعالےٰ کی طرف سے بہت زیادہ لطف وکرم کے اظہار کے طور پر ہوتی ہے۔

تواجد و وجد بھی احوال ہیں۔ اپنی ذات پر جو وجد کی کیفیت طاری ہو اسکے اظہار کو تواجد کہتے ہیں۔ نیز اپنے اندر اک وجد وشوق پیدا کرنا مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا یعنی روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو روتے بنو۔ غرضیکہ وجد وہ کیفیت ہے جو بلا تکلف قلب پر وارد ہو یہ اوراد کا ثمرہ ہے۔ جسکے ورد میں طاعتیں بہت ہیں اسے وجد اکثر آتا ہے۔

وجود بھی احوال میں سے ہے۔ اس سے مراد ہے سلطان حقیقت کا آدمی کے دلمیں جاگزیں ہونا۔ یہ بات اسوقت تک پیدا نہیں ہوتی جبتک کہ بشری صفات غفلت وشہوات زائل نہ ہوجائیں۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی شے سے محبت کرے گا تو یہ حقیقت کے خلاف کریگا نیز وجود یعنی سلطان حقیقت کی جتنی مقدار ہوگی اسی قدر محبود حاصل ہوگا۔ یعنی اپنی سعی وجہد میں کامیابی سلطان حقیقت کے مقدار کے مطابق ہوگی۔ صاحب وجود کے لئے صحو ومحو ہے۔ صحو کی حالت میں وہ باقی باللہ ہے اور محو کی حالت میں فانی فی اللہ۔ یہ دونوں حالتیں یکے بعد دیگرے آتی ہیں۔ جب آدمی پر سلطان وجود (یعنی حقیقت) کا غلبہ ہوگا تو یہ اسپر مسلط ہوجائے گا اور اس کا حملہ۔ اسکی جنگ اور اسکے تغیرات سب اسی

حقیقت کے زیر اثر ہونگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فیما اخبر بہ عن الحق سبحانہ وتعالیٰ فبی یسمع وبی یبصر یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کے متعلق جو بھی اطلاع ہے وہ یہ ہے کہ ایسا شخص (جسپر سلطان حقیقت کا غلبہ ہو وہ) جو سنیگا اللہ سے سنیگا اور جو دیکھے گا اللہ ہی سے دیکھیگا۔

جمع وتفرقہ۔ جمع الجمع اور فرق ثانی۔ یہ سب احوال ہیں۔ جمع وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اظہار فہم ومعنی قلب میں آئے۔ یہ لطف وتوفیق کی ابتدا ہے اور فرق وہ شے ہے جو بندہ کی طرف سے بطور ادائے عبودیت وبندگی اور اللہ سے مانگنے کی صورت میں ہو۔ بندہ کیلئے فرق وجمع دونوں حالتوں کا آنا ضروری ہے۔ اگر تفرقہ نہیں تو عبودیت وبندگی بھی نہیں اور اگر جمع نہیں ہے تو اسمیں معرفت نہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ کے قول "ایاك نعبد" میں فرق کی طرف اشارہ ہے اور "ایاك نستعین" میں جمع کی طرف جب بندہ اپنی زبان میں اپنے رب کو خطاب کرتا ہے تو وہ گویا اس سے سرگوشی کرتا ہے یعنی کچھ مانگتا۔ دعا کرتا اور اسکا شکر ادا کرتا یا گڑگڑاتا ہے۔ یہ سب محل تفرقہ میں ہوتا ہے اور جب اس کا سر (باطن) خالی اور صاف ہوتا ہے اور وہ اپنے رب سے صفائی سر کی حالت میں سرگوشی کرتا ہے اور اس کا رب بھی اس سے سرگوشی کرتا ہے اور مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ یہ کر اور یہ نہ کر تو یہ مقام جمع ہے لیکن جمع الجمع وہ حال ہے جس میں ماسوائے

---

[1] یعنی اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ یہ فرق کرنا ضروری ہے ورنہ عبادت وبندگی کیسے ہوگی نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کل من اللہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے ورنہ معرفت ہی نہیں نصیب ہو سکتی۔

اللہ سے استہلاک کلّی ہوتا ہے یعنی صرف اللہ ہے اور کوئی نہیں اور کچھ نہیں۔ جمع الجمع
میں بندہ عبادت کو اللہ ہی کے واسطے دیکھتا اور سمجھتا ہے اور جمع میں غیر کا بھی شہود ہے یعنی
غیر پر بھی کچھ نظر پڑ جاتی ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے (اسمیں استہلاک کلّی نہ ہوا
اور توفیق الٰہی پر ہی نظر پڑی) لیکن فرق ثانی سے مراد یہ ہے کہ حالت محو سے حالت صحو کی
طرف بوقت ادائے فریضہ بندہ لوٹے۔ تاکہ فرض ادا کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لطف و احسان ہے۔

فنا و بقا بھی احوال میں داخل ہیں۔ فنا سے مراد یہ ہے کہ تمام بُری خصلتیں آدمی سے
فنا ہو جائیں اور بقا سے مراد یہ ہے کہ جو خصلتیں اچھی ہیں وہ آدمی میں باقی اور قائم رہیں
اہل سلوک فنا و بقا سے اور بھی معنے لیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک فنا سے خواہشات نفس کی
فنا مراد ہے یعنی دنیا کی جو خواہشات اور آرزوئیں تھیں وہ سب فنا ہو گئیں اور کچھ نہ رہیں
اور جب یہ خواہشات فنا ہو گئیں تو بندہ کے پاس صرف نیت و اخلاص۔ بندگی و عبودیت
رہ گئی۔ اخلاق مذمومہ جنھیں فنا کرنا مقصود ہے۔ ان کی مثال حسد و بغض و کینہ وغیرہ ہیں
اور جو خصال محمودہ باقی رہیں وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور صدق و سچائی ہیں۔ یہ دونوں
قسم کی خصلتیں یعنی محمودہ اور مذمومہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر بندہ میں سے ایک فنا
ہو جائے گی تو دوسری جو اسکی ضد ہے باقی رہے گی۔

غیبت و حضور بھی احوال ہیں۔ غَیبت (غ پر زبر ہے) سے مراد یہ ہے کہ تم دنیا کے
احوال اور جھگڑوں سے غائب اور بے خبر رہو۔ اور حضور سے مراد ہے کہ آخرت کے امور میں
حاضر اور باخبر رہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے مناجات کرنے اور مکاشفہ کی حالت

میں حضوری ہوجاتی ہے اور بندہ اسقدر مستغرق ہوتا ہے کہ احساس اشیائے سے بالکل بے خبر ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا ہاتھ اگر آگ میں بھی پڑ جائے تو بھی اسے کوئی درد والم محسوس نہ ہوگا

سُکر و صحو بھی احوال ہیں۔ سُکر غیبت کے مشابہ ہے اور صحو سے مراد ہے سُکر سے احساس کی طرف رجوع کرنا۔ سلوک میں غیبت مبتدی اور منتہی دونوں کو ہوتی ہے مگر ان کے لئے بھی ضرور ہے کہ صاحب وجد و وجدان ہوں یعنی غَیبت صرف صاحب وجد و وجدان کو ہوتی ہے خواہ وہ مبتدی ہو یا منتہی۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ ایک شے اللہ جل شانہ کی طرف سے بندہ کے قلب پر وارد ہوتی ہے جس سے وہ اک نشہ کی سی حالت میں ہوجاتا ہے۔ جب نشہ اترتا ہے تو سُکر و طرب، راحت و آرام۔ درد و بے آرامی اور دل کی بیقراری پیدا ہوتی ہے۔

ذوق و شرب بھی احوال ہیں۔ ان سے وہ شے مراد ہے جو تجلی کے ثمرات اور کشوفات کے نتیجوں کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں اول ذوق ہے پھر شُرب۔ پھر رِیّ (سیرابی) ہے جب صوفیہ کے معاملات میں صفائی آتی ہے تو ذوق معانی پیدا ہوتا ہے اور جب اُن کی منازل میں صفائی ہوتی ہے تو شرب واجب ہوتا ہے مگر رِیّ (سیرابی) دائمی مواصلات (یعنی خلوص اور بے لاگ دائمی دوستی) سے حصہ میں آتی ہے۔ پس صاحب ذوق متساکر یعنی سُکر کی ابتدائی کیفیت میں ہے اور نشہ کا پورا غلبہ ابھی نہیں ہوا ہے اور صاحب شرب سُکران یعنی مخمور ہے اور نشہ کا اسپر پورا غلبہ ہوگیا ہے اور صاحب رِیّ (یعنی سیراب) صحو کی حالت میں ہے یعنی اب اس کا نشہ اتر چکا ہے۔ عطشان (پیاسے) کی بھی ایسی مثال ہے

جسے پیاس کم ہے وہ صاحب ذوق ہے۔ جسے بہت ہو وہ صاحب شرب ہے اور جب وہ سیراب ہوگیا اور جتنا پینا تھا پی چکا تو اسکی بے چینی کم ہوگی اور پیاس بجھ گئی۔ یہ شخص صاحب ری اور صاحب صحو ہے۔

محو واثبات بھی احوال ہیں۔ محو سے مراد ہے عادتوں کا باقی نہ رہنا اور اثبات کے معنی ہیں عبادت واطاعت کے حکموں کو پختگی کے ساتھ قائم کرنا۔ ظاہر سے محویت اور فنائیت نہ ہونے پائے غفلت محو ہوجائے۔ منازل پر ثبات وپختگی رہے، محبت ودستی میں قیام ودوام رہے۔ محق بھی ایک حال ہے جو محو کے متشابہ بلکہ اس سے بالاتر ہے کیونکہ محو میں کچھ اثر باقی رہتا ہے اور محق (مٹنا) میں کچھ باقی نہیں رہتا سب مٹ چکا ہوتا ہے۔

ستر وتجلی بھی احوال ہیں۔ تجلی ایک نور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طرح کا مکاشفہ ہے جو عارف کے قلب پر وارد ہوتا ہے اور دل میں دہشت اور سوزش پیدا کرتا ہے ستر سے مراد ہے تجلی کا چلا جانا تاکہ عارف کو وہ جلانے نہ پائے اور اسکا نور تجلی کے نور میں گم نہ ہوجائے۔ اس میں ایک طرح کا فضل الٰہی اور اسکی قربت ونیز دیکی ہے۔

محاظرہ ومکاشفہ ومشاہدہ بھی احوال میں داخل ہیں۔ محاظرہ پہلے ہوتا ہے۔ اس کے بعد مکاشفہ اور اسکے بعد مشاہدہ۔ محاظرہ سے مراد ہے حضور قلب۔ یہ حال تواتر براہان یعنی دلیلوں اور نشانیوں کے پے در پے ظاہر ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حال ستر کے پیچھے چلے جانے (یعنی زوال تجلّی محرقہ) کے بعد آتا ہے خواہ استیلا وغلبہ سلطان ذکر سے قلب حاضر ہی کیوں نہ رہے۔ اس کے بعد مکاشفہ ہے۔ اس سے مراد ہے حضور لنعت البیان غیر مفتقر فی ھذہ الحالۃ الی تامل الدلیل وطلب السھل یعنی صفت بیان کا

اسی طور پر موجود رہنا کہ اس حالت میں دلائل و براہان پر غور و تامل کرنے اور راستہ کی جستجو و تلاش کرنے کی صورت نہ ہو یعنی جو کچھ وہ بیان کرے الہام الٰہی سے بیان کرے نہ کہ دلیل و برہان اور علوم مکسوبہ کی مدد سے۔ اس کے بعد مشاہدہ ہے وھو وجود الحق من غیر بقاء تھیمہ یعنی حق کا وجود ایسی بقاء کے بغیر جسکا بندہ خواہشمند و متمنی ہو یعنی بندہ کو اپنے حق میں فنائے تام حاصل ہو۔ جب اس محو کے بعد صحو میں آتا ہے تو ستر کے غیوب سے (یعنی پردہ کے پیچھے سے جسکا علم نہیں) سر ظاہر ہوتا ہے اور شہود کا آفتاب جو برج ترقی سے نور افگن ہوتا ہے چمکنے لگتا ہے۔

لوائح ۔ لوامع اور طوالع بھی احوال میں داخل ہیں ۔ اول لوائح ہیں ۔ پھر لوامع پھر طوالع ۔ لوائح بجلی کی چمک کی طرح ہیں کہ ظاہر ہوتے ہی فوراً زائل ہو جاتے ہیں۔ لوامع لوائح سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اُن کا زوال اِن کے ساتھ نہیں ہوتا اور دو تین وقت باقی رہتے ہیں ۔ طوالع وقت کے لحاظ سے بہت دیر تک باقی رہتے ہیں غلبہ وسلطان کے لحاظ سے وہ بہت زیادہ قوی ہوتے اور قیام کے لحاظ سے بہت دیر تک ٹھہرنے والے اور سب سے زیادہ تاریکی کو دور کرنے والے ہوتے ہیں۔

بوادہ اور ہجوم بھی احوال ہیں ۔ بوادہ (دوسروں سے جدا کرنا) سے وہ شے مراد ہے جو غیب سے علی سبیل الذہلہ تمہارے قلب پر یکایک وارد ہو۔ علی سبیل الذہلہ سے مراد ہے بطور پر آنا کہ آدمی تمام (دوسری چیزوں) کو بالکل بھول جائے یعنی دوسری تمام اشیا ذہن سے نکل جائیں اور بالکل بھولی بسری ہو جائیں۔ یہ شے یا تو موجب فرحت ہوتی ہے یا موجب رنج وغم

اور ہجوم وہ شے ہے جو تمہارے قلب پر وقت کی ایسی قسوت (یعنی سختی وگرانی) کے ساتھ وارد ہو جس میں تمکو کوئی داخل نہ ہو یعنی تمہارے کسی تصنع کا نتیجہ نہ ہو۔ وارد کی قوت وضعف کے لحاظ سے اس شے کی بھی مختلف نوعیتیں ہو گئی ہیں۔

تلوین وتمکین بھی احوال میں سے ہیں۔ تلوین احوال والوں کی صفت ہے اور تمکین اہل حقائق کی جبتک کہ آدمی سلوک میں رہتا ہے اور وہ راہ طے نہیں کر چکتا وہ حالت تلوین میں رہتا ہے اسلئے کہ ایک حال سے دوسرے حال پر وہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور تمکین یہ ہے کہ سالک اپنے مقصد کو پہونچ جائے۔ جب وہ اپنے مقصد تک پہونچ گیا تو وہاں ٹھہر جاتا ہے اور اپنی حالت پر قرار حاصل کر لیتا ہے اسلئے کہ اس حال کے بعد اور کوئی حال نہیں ہے۔ یہ وہ حال ہے جس میں بشریت باقی نہیں رہتی اور صرف حقیقت باقی رہتی ہے۔

قُرب وبُعد بھی احوال ہیں۔ قرب سے مراد اللہ جل شانہ کی وہ نزدیکی ہے جو بندے کو طاعت سے اور ایک منزل سے دوسری منزل پر ترقی کرنے سے نصیب ہوتی ہے اور بُعد سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا بُعد اور ان چیزوں سے اُنس رکھنا جن میں اسکی مخالفت ہے۔ پہلی شے اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور دوسری شے تحقیق سے بُعد اور دوری۔

انفاس بھی احوال ہیں۔ ان سے مراد ہیں نورانی انفاس[۱] یعنی لطائف غیب کی ہوا کا قلب پر چلنا۔ صاحب انفاس صاحب احوال سے زیادہ رقیق القلب و اصفیٰ ہوتا ہے۔ یعنی صاحب وقت مبتدی ہے اور صاحب انفاس منتہی اور صاحب احوال ان دونوں کے بیچ میں ہے

---

[۱] دیکھو فصل ۱۴ منتہی صاحب احوال کا مرتبہ۔

پس احوال بیچ کے درجہ (وسائط) میں ہوئے اور انفاس اہل سرائر کے لئے قرار پائے۔ مشائخ عارفین کا قول ہے کہ عارف کیلئے نفس مسلم نہیں ہے اسلئے کہ وہ مسامحت وروا داری نہیں روا رکھتا لیکن جو محب ہے اسکے لئے نفس لابدی ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ اپنی عدم طاقت کی وجہ سے ہلاک ہوجائے گا۔

علوم خواطر بھی احوال میں داخل ہیں۔ خاطر وہ خطاب ہے جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے کبھی اسپر فرشتہ کی طرف سے القا ہوتا ہے اور کبھی شیطان کی طرف سے۔ حدیث نفس کا بھی انہیں میں شمار ہے مگر اس کا القا اللہ جل شانہ کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ جب حدیث نفس کا القا فرشتہ کی طرف سے ہو تو اُسے الہام کہتے ہیں اور جب شیطان کی طرف سے ہو تو اُسے وسواس کہتے ہیں۔ جب یہ القا نفس کی طرف سے ہو تو اسے اَجر (صلہ ومعاوضہ) کہتے ہیں۔ مگر جب وہ اللہ جل شانہ کی طرف سے ہو اور القا قلب پر ہو تو وہ خواطر ہیں

علم الیقین۔ عین الیقین وحق الیقین۔ تینوں احوال ہیں۔ اصطلاح میں علم الیقین کے معنی ہیں وہ علم جو مشروط بہ بُرہان ہو یعنی دلیل سے حاصل ہو اور عین الیقین وہ ہے جو بحکم البیان ہو یعنی ایسا ہو جیسا کسی واقعہ حقیقی کا بیان ہے۔ یہ بات صفائی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور حق الیقین وہ ہے جو نعت العیان اور ایسی کھُلی کھُلی ہو جیسے کہ ایک یقینی چیز ہوتی ہے۔ علم الیقین ارباب عقول کیلئے ہے اور عین الیقین ان کے لئے ہے جو صاحب علم ہوں اور حق الیقین اصحاب معرفت کیلئے ہے

وارد بھی احوال میں داخل ہے۔ وارد سے مراد ہیں وہ خواطر محمودہ جو قلوب

پر وارد ہوں اور جو پہلے سے بندہ کے علم میں نہ ہوں اور نہ کسی سابقہ خطرہ سے پیدا ہوئے ہوں۔ خطرہ بھی ایک طرح کا وارد ہے۔ وارد حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے (بغیر سابقہ علم کے) ہوتا ہے اور علم سے بھی ہوتا ہے۔ خاطر و وارد میں فرق یہ ہے کہ خواطر کے مقابلہ میں واردات زیادہ عام ہیں اسلئے کہ خواطر خاصکر چشمہ خطاب یا اسی کے مانند دہم معنی کسی اور منبع سے آتے ہیں (یعنی وہ خطاب وغیرہ کی صورت میں وارد ہوتے ہیں جو اتنے عام نہیں) واردات طرح طرح کے ہوتے وہ سرور کے ہوتے ہیں اور حُزن کے بھی۔ قبض کے ہوتے اور بسط کے بھی۔ اسی کے مانند اور مثالیں بھی سمجھ لو۔

لفظ شاہد بھی احوال میں سے ہے یعنے جو کچھ کہ انسان کے دل پر گذر رہا ہے وہ گویا اس کا مشاہدہ کر رہا ہے آخر کار یہ حالت اسپر غالب آجاتی ہے۔ اگر وہ شئے ذکر ہے تو کہا جائے گا کہ انسان اس ذکر کا شاہدہ کر رہا ہے اور اگر وہ شئے علم ہے یعنی اسپر علم کا غلبہ ہے تو کہا جائے گا کہ وہ علم کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اگر اسپر وجد غالب ہے تو گویا وہ اسی کا مشاہدہ کر رہا ہے شاہد کے معنے حاضر کے ہیں۔ پس جو کچھ انسان کے دل کے سامنے حاضر ہے وہ گویا اسکا مشاہدہ ہے۔

نفس مطمئنہ۔ نفس لوّامہ اور نفس امّارہ کی معرفت بھی احوال میں داخل ہے۔ نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالےٰ کی اطاعت سے اطمینان حاصل کرتا ہے اور اسکے حکم کی مخالفت کبھی نہیں چاہتا۔ اور نفس لوامہ وہ ہے جو انسان کو گناہوں پر ملامت کرتا اور توبہ و انابت کے لئے آمادہ کرتا رہتا ہے اور نفس امّارہ وہ ہے جو بُرائی کا حکم کرتا ہے جبکہ یہ غالب ہے

اس کے لئے ہلاکت کے سامان ہیں۔ بندہ اور اس کے پروردگار کے درمیان یہ سب سے بڑا حجاب ہے۔ مشائخ سے کسی نے پوچھا کہ آخر اسکا علاج کیا ہے فرمایا اسکی مخالفت کرنا ہی اسکا علاج ہے۔

نفس سے مراد وہ اخلاق وخصائل ہیں جو بد ہیں۔ جو سب سے زیادہ بُرے ہیں نفس اُنہیں کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اللہ اور اسکے بندوں کی نظروں میں اسکی کچھ وقعت ہے مگر یہ اسکی خوش خیالی ہے۔ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ نفس بجائے خود کوئی بُری عادت اور بُری خصلت نہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ ہے جو قلب میں امانت رکھا گیا ہے اور وہ اخلاق محمودہ کا بھی محل ہوا کرتا ہے۔

روح کا شمار بھی احوال میں ہے۔ اہل سنت وجماعت میں جو اہل حقیقت ہیں وہ روح کے متعلق ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ روح ایک لطیف جسم مجازی ہے اور جو روح ربانی ہے وہ عالم امر کا ایک امر ہے۔

اس بارے میں مشائخ کے اقوال یہ ہیں۔ یعنی روح ایک خاص لطیفہ ہے جو قالبوں میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ جب آدمی سوتا ہے تو پھر روح عالم بالا کی طرف اوپر جاتی ہے اور بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور جب آدمی جاگ اٹھتا ہے تو یہ پھر بدن میں آجاتی ہے انسان کا اطلاق روح وجسد دونوں کے مرکب پر ہے اللہ سُبحانہ تعالیٰ نے ان سب اجزاء کو ایک دوسرے کا مسخر فرما دیا ہے اور حشر وثواب وعذاب جملہ پر ہوگا۔ ارواح مخلوق ہیں۔ جو لوگ اسکے عدم کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواح کا وجود ہی نہیں وہ بہت

بڑی غلطی پر ہیں۔ روح معدن خیر ہے۔ اور نفس معدن شر اور عقل روح کا لشکر ہے اور چاہت وخواہشات نفس کے لشکر ہیں اور توفیق جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ روح کے رجوع و بازگشت کی جگہ ہے اور خذلان (آس توڑنا) اور عدم توفیق نفس کے رجوع کرنے اور لوٹنے کی جگہ ہے۔

معرفت اسرار بھی احوال میں شمار کی جاتی ہے۔ ایک سِر (بھید) ہے اور ایک سرّ السّر (بھیدوں کا بھید) سِر ایک لطیفہ ہے جو روح کی طرح قلب میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ یہ بھی اسیطرح محل مشاہدہ ہے جسطرح روح محل محبت اور قلب محل معارف ہے۔

مشائخ کا قول ہے کہ سِر وہ شے ہے جسکی نہ تمہیں اطلاع ہے اور نہ آگاہی اور سرّ السّر وہ ہے جسکی اطلاع خدائے عزوجل کے سوا کسیکو نہیں۔ سِر روح سے اشرف اور روح قلب سے اشرف ہے اور احرار (یعنی آزاد مردوں) کے سینے اسرار کی قبور ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

فصل ـــــــــــــــ (۲۱)

ذکر

منتہی صاحب بقا و فنا و دوام بقا ہوتے ہیں۔ جنکو یہ بات نصیب ہے وہ پہلے شریعت پر چلکر اپنے افعال کو اپنے رب کے افعال میں فنا کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوام ذکر نصیب ہوتا ہے۔ اسکے بعد طریقت اختیار کر کے وہ اپنی صفتوں کو بھی اللہ جل شانہ کے صفات میں گم کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ذکر کے نور سے ان کا قلب ایک جوہر بنجاتا ہے۔ ذکر حرف وصوت کے لباس سے الگ ممتاز ہو کر پہچانا جاتا ہے اور اس کا نور ایسے قلب کے آئینہ میں جو وصاف

بشری سے پاک وصاف ہوگیا ہے اپنا نقش جماتا ہے۔ پھر ذکر روح میں سرایت کرتا اور اسے بھی جوہر ذکر کے ساتھ یک اصل کر دیتا ہے۔ یہاں پر ذکر و ذاکر متحد ہو جاتے ہیں۔ پھر ذکر ذات کا ذکر ہو جاتا ہے اسوقت اجزائے موجودات اُسکے ذکر کے نور سے سب نورانی ہو جاتے ہیں اسلئے کہ اسکا نور سارے موجودات کو گھیرے ہوئے ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی اسی نور کی معیت میں ہوتا ہے پھر طیب و پاک کلمات اللہ جل شانہ کی طرف اوپر جاتے ہیں اور عمل صالح انہیں اور اونچا کرتا رہتا ہے۔ ذکر طیب وہ ہے جو نہ کسی دنیا کی چیز کے لئے ہو اور نہ دین کے لئے بلکہ نرا اللہ کے لئے ہو اور اللہ کا ذکر اس تندہی سے ہو کہ بندہ کا اپنا وجود بالکل درمیان میں باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے قول "فاذکرونی" کی حقیقت کا جو اقتضا ہے اس کے ساتھ اسکی اپنی حقیقت یکجا ہو کر ذکر میں فنا ہو جائے تاکہ اللہ جل شانہ کے قول "اذکرکم" کے مطابق ذکر ہی سے اسکی لقار ہے۔ اس سے مراد ہے وہ تجلی جمال جو اپنی ذاکریت (یعنی خود ذاکر ہونیکی صفت) کی وجہ سے مذکوریت (یعنی مذکور ہونیکی صفت) سے بھی موصوف ہے تاکہ اسے (یعنی بندہ کو) اپنی (ذاکریت) سے فنا کردے اور اسکو صرف مذکوریت (یعنی مذکور ہونے) کی صفت کے ساتھ[۱] باقی رکھے

---

[۱] یعنی اللہ جل شانہ حسب مخوائے "فاذکرونی اذکرکم" ایک جہت سے ذاکر ہے اور دوسری جہت سے مذکور۔ اسکی مذکوریت ایک شان ہے اور ذاکریت بھی ایک شان ہے کیونکہ وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔ تجلی جمال کا تقاضا یہ ہوا کہ ذاکر و مذکور ایک ہو گئے جو حادث تھا وہ باقی نہ رہا اور قدیم کی صفت میں بندۂ حادث کی صفت ذاکریت بھی فنا ہو گئی اور قدیم کی مذکوریت کے ساتھ صرف بہ صفت مذکوریت وہ باقی رہا یعنی بندہ حادث اسکی ذاکریت حادث

اس کے بعد تجلی صفت جمال سے جو کچھ اس نے ذائقہ لیا تھا وہ محو ہو جائے اور پھر تجلی صفت جلال سے جو کچھ اُسے پیش آیا تھا وہ بھی مٹ جائے اور محو ہو جائے ہاں اللہ تعالیٰ کے صفات کے ساتھ جسقدر اسکی بقا تھی اس حد تک وہ باقی رہی یہ ضروری ہے کہ جو اپنی ذات سے فنا ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ باقی رہا چنانچہ کسی کے شعر ہیں ؎

وقوم تاھوا فی أرض بقفر — وقوم تاھوا فی میدان حبہ

فأفنوا ثم أفنوا ثم أفنو — وأبقوا بالبقاء بقرب ربہ

یعنی بعض لوگ ہیں جو فقر کے چٹیل میدانوں میں مارے مارے پھرے اور ہلاک ہو گئے اور ایسے بھی لوگ ہیں جو اسکی حب کے میدان میں آوارہ پھر پھر کر ختم ہو گئے۔ غرضیکہ وہ ہر جہت سے فنا ہو گئے اور اگر کہیں کچھ وہ باقی رہے ہیں تو صرف اپنے رب کے قرب میں باقی رہے ہیں۔ پس جیسا کہ مشائخ کا قول ہے پہلی بات اپنی صفات سے بندہ کا فنا ہونا ہے تا کہ صرف صفات حق باقی رہیں۔ پھر شہود حق کے ساتھ صفات حق سے بھی فنا ہونا ہے پھر وجود حق میں اپنے تئیں فنا کر کے اپنے فنا کے شہود سے بھی فنا ہونا ہے اسی کو فنائے ذات در ذات کہتے ہیں یہی حقیقت ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم تا آیۃ[1]، یعنی تو کہہ اللہ نے اتاری یہ کتاب پھر چھوڑ دے ان کو کہ اپنی بک بک میں کھیلا کریں۔

بقیہ صفحہ ۴۵۔ اسکی مذکوریت حادث۔ رب تعالیٰ قدیم الذات اسکی ذات قدیم اسکی صفت قدیم اسکی ذاکریت قدیم۔ اسکی مذکوریت قدیم۔ حادث قدیم میں فنا ہو گیا۔ آفتاب نکلا ستارے سب ڈوب گئے نہ بندہ کی ذات باقی رہی اور نہ صفت نہ اسکی ذاکریت رہی اور نہ اسکی اپنی مذکوریت ہاں جب اگر قدیم نے اپنے فضل و کرم سے مذکور کا ذکر کیا تو اس ذکر کی تجلی جو قدیم ہے حادث کی مذکوریت کم سے کم یاد کے طور پر باقی رہ گئی یعنی فنائیت سب اللہ میں ہو گی اور بقا جو کچھ بھی وہ اسکی بقا کے ساتھ ہے۔

[1] سورہ انعام رکوع (۱۱)

فصل ——————— (۲۲)

ذاکر کے صفات

علمائے ربانی کہتے ہیں کہ جب ذاکر عالم فنا کو پہونچ گیا تو حق تعالیٰ کا تصرف اس میں کار فرما ہوتا ہے۔ ذاکر کا پتھر اکسیر اور اسکے محاسن طلائے خاص بنجاتے ہیں اور ایسے انوار توحید وتنزیہہ اسمیں ودیعت کئے جاتے ہیں جن سے شرک وتشبیہ اور تعطیل اور تمویہ (ملمع کاری) کسی کا نشان باقی نہیں رہتا اور صفات توحید سے متصف ہو کر صفات ذمیمہ کی کدورت اور مخالفت کے میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے اب وہ سالکین (یعنی روندگان راہ خدا) کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے اور سائرین (سیر الی اللہ کرنے والوں) کی منزل کو طے کرتا ہے یہاں تک کہ طائرین (روحانی طور پر اڑنے والوں) کے منازل میں پہونچکر طمانیت وتسکین کے مقام پر آرام لیتا ہے الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[۱] یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دلوں کو خدا کی یاد سے تسلی ہوتی ہے اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا ہی کرتی ہے۔

فصل ——————— (۲۳)

ذاکر کے مدارج

جب ذاکر عالم ارواح کی روح سے مل گیا تو صفت قدم اس سے اس طرح ظاہر ہوئی کہ اسکی تخصیص میں کوئی شبہ نہ رہا اور اسکی سرفرازی کا فرمان اس ارشاد کے ساتھ صادر

---

[۱] سورہ رعد رکوع (۳)

ہوا " ونفخت فیہ من روحی " (اور میں نے اپنی روح اسمیں پھونکی) یہ ایک فضیلت ہے جو حادث کیساتھ صفت قدم کو متعلق کر دینے سے حاصل ہوئی اور قدیم نے حادث کو سرفراز فرمایا۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ ہی تخصیص و تفصیل نے شاید حادث سے حدث کا جز و محو و زائل کر دیا اور اس سرفرازی نے حادث کو قدیم سے پیوست کر دیا۔ ہاں، گو ایسا ہوا نہیں مگر ہونے کے قریب تک پہونچ گیا۔ اسی طرح اس اضافت سے قدیم کے حادث کیساتھ قرار و قیام و ثبات حاصل کرنے کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ ہاں۔ گو یہ بات پوری طور پر واقع نہیں ہوئی مگر وقوع کے قریب تک پہونچ گئی۔ یہاں تک نوبت پہونچنے کے بعد بھی قدیم حدث سے منزہ اور قدیم حادث سے جدا رہا۔ اسکی ازلیت وصل سے بالاتر ہے اور اسکے ساتھ اضافت ہونے سے جو تمہیں فضیلت حاصل ہوئی یہ اسکے جز و بن جانے کی فضیلت نہیں ہے بلکہ تمہارے برتری و بلندی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اسکی طرف یہ تمہاری اضافت اک اضافت خصوصی ہے نہ کہ اضافت بعضی[1] یعنی تمہیں اس سے مخصوص ہونے کی فضیلت نصیب ہوئی ہے نہ کہ تم اس کے کوئی جز و یا حصہ بن گئے اور تمہیں اضافت قرب ملی ہے نہ کہ اضافت نسبتی اور اضافت کرم ملی ہے نہ کہ اضافت قِدم۔ گو خود اس کا ارشاد ہے کہ " نفخت فیہ من روحی " (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) مگر ذات باری تعالیٰ تمام اضافتوں سے منزہ[2] ہے۔

---

[1] بعضی اضافت سے مراد ہے بعض اور جز و بن جانا ۱۲۔

[2] او بیرون از وہم قال و قیل من ❊ خاک بر فرق من و تمثیل من۔ لیس کمثلہ شئ

فصل ——— (۲۴)

تنزیہہ

اس کے ساتھ کسی کل کی نسبت جب نہیں ہو سکتی تو بعض کی نسبت کیسے ہوگی اور جب جنس کی نسبت نہیں ہو سکتی تو نوع کی کیسے ہوگی۔ جب کوئی اسکی جائے قرار نہیں ہے تو کیسے "اسکو" "اوپر" کہا جا سکتا ہے۔ وہ بدایت و نہایت دونوں سے منزہ ہے اور طرف و محل سے پاک "لیس کمثلہ شیٔ" کوئی شے اسکی مثل نہیں۔

فصل ——— (۲۵)

حقیقت حال

جب وصل عالم سِر (باطن) تک پہونچا تو اسپر اسرار غیب کشف ہونے لگے اور اسرار کی نئی نئی صورتیں دلہن بنکر خلوت اولیائے تحت قبائے لا یعرفھم غیری[۱] (یعنی میرے دوست میری قبا کے دامن کے تلے ہیں میرے سوا انہیں کوئی اور نہیں پہچانتا) کی موزوں ترین مقامات میں اپنے گھونگٹ اٹھا کر رونمائی کرنے لگیں چنانچہ ارشاد مبارک فاوحی الی عبدہ ما اوحی[۲] (اور میرے بندے کی طرف وحی بھیجی جو بھیجی) اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ ارشاد ایسے پردہ کی مجلس کا ارشاد تھا جسمیں صرف رب تھا اور اس کا بندہ اور ایسا بھید تھا جسپر نہ کبھی نبی مرسل کو اطلاع ہوتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ کو۔ اس کے بعد اسکی قدرت کے الطاف و مہربانیاں اسکے

---

[۱] بعض نسخوں میں قبائی کی جگہ قبابی ہے جسکے معنی یہ ہونگے، میرے دوست میری قبا کے دامن کے تلے ہیں میرے سوا انہیں کوئی نہیں پہنچانتا ۱۲۔ [۲] سورہ نجم رکوع (۱)

سرکار سے ایسے تحفے لاتی ہیں جو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھے اور نہ کانوں نے سُنے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین[1] (کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیسی کیسی چیزیں وہاں پوشیدہ ہیں) اس میں اسکی سند موجود ہے یعنی ایسی شے وہاں ان کے لئے ہے جو عاشق کی آنکھ کو ٹھنڈک دے۔ تم جانتے ہو کہ عاشق کی آنکھ کو کس سے ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ اپنے معشوق کے چہرہ پر نظر کرنے سے۔ اس کے جلال میں جمال کو دیکھکر تمتع کرنے سے۔ ایسا تمتع کہ جس کے لئے اسکے قلب میں شنوائی اور اسکی دانش میں بینائی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ وہ بغیر کان کے سنتا ہے اور بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے لیکن جو کچھ سنتا ہے غیب ہی کی باتیں سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے غیب ہی کی چیزیں دیکھتا ہے۔ غیب اس کے لئے عیاں اور خبر اس کے لئے معاینہ ہوتی ہے حدیث نبوی صلعم "رائ قلبی ربی" کے یہی معنی ہیں۔

جو عالم باللہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ قدم کے اشارہ کا مفہوم خود قرآن پاک کے ان الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے "الم تر الی ربک"[2] (تونے اپنے رب کی طرف نہ دیکھا) جب تم اس اشارہ کو سمجھ جاؤگے تو وہ تم کو خود تم سے جذب وسلب کریگا اور تم اس کے قبضہ قدرت میں آجاؤگے اور تمہیں ایسے اعلیٰ مراتب توحید و معرفت اور سرو ہمم (یعنی آرزوں اور حوصلہ مندیوں) کی ایسی اعلیٰ منزلوں تک پہونچا دیگا کہ جو نہ بیان میں آسکتے ہیں اور نہ ذکر میں اور اسرار اسکی نشان دہی کرنے سے عاجز رہتے ہیں۔ یہ نہایت اقدام ہے۔ اس کے آگے کوئی اور قدم نہیں اور نہ اس نہایت کے ماسوا اور کوئی اور شے ہے اللھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

---

[1] سورہ سجدہ رکوع (۲) [2] سورہ فرقان شروع رکوع (۵)

تیری حمد وثنا اے اللہ حصر میں نہیں آسکتی تو ویسا ہی ہے جیسا کہ اپنی ثنا میں خود تونے فرمایا ہے ۔ اسوقت اسکی زبان سے نکلتا ہے سبحان من لم یجعل للخلق سبیلا[۱] الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ " پاک ہے وہ ذات جسنے خلق کے لئے اپنی معرفت کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں پیدا کیا کہ وہ اسکی معرفت سے عاجز رہے اور اپنے عجز کو تسلیم کرے جب حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ جانا کہ اسکی حقیقت وحدانیت و فردانیت کا حق ادا کرنے سے خلق عاجز ہے تو خود اپنی طرف سے حق کے واسطے حق کے ساتھ یہ گواہی دی شھد اللہ انہ[۱] لا الٰہ الا ھو (خود اللہ تعالیٰ اسبات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں) توحید کی حقیقت یہ ہے کہ شروع میں بھی اسکی یکتائی و توحید ہے اور آخر میں بھی ۔ وہی بدایت ہے اور وہی نہایت اور نہایت (آخر) یہ ہے کہ پھر بدایت (شروع) کی طرف رجوع کیا جائے اسی سے ابتدا ہوئی ہے اور اسی کی طرف عود کیا جاتا ہے ۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ خود بدایت ہے اور خود ہی نہایت ۔ اسی سے ابتدا کی جاتی ہے اور اسی کی طرف عود کرتے ہیں ۔ یہی کلمہ طیبہ ہے[۲] ۔

---

[۱] سورہ آل عمران رکوع (۲)

[۲] نفحات الانس میں خواجہ عبید اللہ امامی اصفہانی کے ذکر میں ہے کہ کلمہ طیبہ میں جو نفی ہے اسکے معنی ہیں کثرت وصور اشیاء سے ہٹکر اس عین واحد کی طرف رجوع ہونا جو تمام سالکوں کا مطلوب و مقصود ہے اور اثبات سے مراد ہے اس عین واحد کو تمام صور تونمیں مشاہدہ کرنا اور ان صورتوں کو اس واحد کا عین سمجھنا ۔ لا الٰہ یعنی یہ صورتیں جو ہمہ تن اسکی غیر ہیں یہ سب کچھ نہیں اور اصل وہی ایک ہے اور الا اللہ سے وہی واحد مراد ہے جو سب صورتوں میں دکھائی دیتا ہے ۱۲

فصل ــــــــــ (۲۶)

کشف

قلوب کا مکاشفہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اور ارواح کا مکاشفہ اللہ اللہ کے ذکر سے اور اسرار کا مکاشفہ ھو ھو کے ذکر سے لا الٰہ الا اللہ قلوب کی قوت ہے اور اللہ اللہ کا ذکر ارواح کی قوت کے لئے اور ھو ھو کا ذکر اسرار کی قوت کے لئے۔ پس لا الٰہ الا اللہ قلوب کے لئے مقناطیس کا کام کرتا ہے اور اللہ اللہ ارواح کیلئے اور ھو ھو اسرار و قلب دونوں کے لئے۔ روح بمنزلہ ایک موتی کے ہے جو سیپی کے اندر بند گویا ایک ڈبیہ میں ہے یا بمنزلہ ایک پرند کے ہے جو کسی گھر کے اندر پنجرہ میں بند ہے۔ ڈبیا گویا قلب ہے اور سیپی اور پنجرہ گویا روح ہیں اور موتی اور پرند بمنزلہ سر کے ہیں۔ جبتک تم گھر کے پاس نہ جاؤ گے پنجرہ کے پاس نہیں پہونچ سکتے اور جبتک پنجرہ کے پاس نہ جاؤ گے پرند کے پاس نہیں پہونچ سکتے۔ اسیطرح جبتک تم قالب تک نہ پہونچو گے روح تک نہیں پہونچ سکتے اور جبتک روح سے اتصال نہ ہو سر سے نہیں ہو سکتا پس جب تم گھر تک پہونچے تو عالم قلوب تک پہونچے اور جب پنجرہ تک پہونچے تو عالم ارواح تک پہونچے اور جب پرند تک پہونچے تو عالم اسرار تک پہونچے۔ لہذا اپنے دل کے دروازے کو لا الٰہ الا اللہ کی کنجی سے اور اپنی روح کے دروازے کو ذکر اللہ اللہ کی کنجی سے کھولو۔ پھر اپنے بھید (سر) کے پرند کے سامنے ذکر ھو ھو کا چارہ ڈالو۔ اس چڑیا کی قوت و غذا۔ ذکر ھو میں ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ارشاد ہے یا موسیٰ اجعلنی مقام طعامك وشرابك[۱]۔ اے موسیٰ مجھے اپنے کھانے

---

[۱] یہ الفاظ قرآن پاک کے نہیں ہیں شاید کسی دوسری آسمانی کتاب کے الفاظ ہونگے۔ واللہ اعلم

اور پینے کے مقام پر جگہ دی۔ یعنی میں ہی تمہاری قوت وغذا اور میں ہی تمہاری قوت وزور بازو بنوں۔

فصل ــــــــــ (۲۷)

تفرید و توحید

تجرید کا حق ادا ہونے کے بعد عالم توحید ظاہر ہوتا ہے جو تفرید پر مبنی ہے بس فصل میں اسی عالم توحید کی حقیقت بیان کی گئی ہے یعنی سلطان ذکر کے غلبہ و استیلا کے وقت حق تعالیٰ اپنی فردانیت کے تقاضے سے تمہیں بھی فرد و یکتا کر دیتا ہے حتیٰ کہ تم بہ حیثیت ذاکر کے حروف و آواز کے قشر یعنی اوپر کے خول سے باہر آجاتے ہو اور ذکر کرنے والے وجود کو جسقدر بھی وہ باقی رہ گیا ہے نیز اس غلبہ و قوت کو جو وجود کے اثبات سے کچھ باقی ہے تم سلطان ذکر کی سطوت سے فنا کر دیتے ہو پس دوام ذکر کی وجہ سے یہ اقتضاء آیہ کریمہ اُذکرونی اذکرکم (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) جو کچھ ذکر کے ساتھ مذکور کا وجود ثابت تھا وہ بھی اس حالت میں باقی نہیں رہتا اور ذاکر مذکور اور مذکور ذاکر ہوجاتا ہے اور أین (کہاں) عین (یعنی موجود) سے اور مباینت (جدائی اور دوری) معاینہ (حضوری اور آنکھوں کے سامنے موجودگی) سے اور اثنینہ (دوئی) وحدانیت (یکتائی) سے بدل جاتی ہے اور عین جمع الجمع کی حالت میں وہ اپنی آپ اور اپنے غیر دونوں سے فنا ہوجاتا ہے جہاں حقیقت صمدی کی ذات کا شہود ہے جو کثیف و لطیف ہر طرح کے جسم یا اس کے توابع اور لوازم سے بالکلیہ پاک ہے۔ وہاں سوائے ایک حق تعالیٰ کے اول ہو یا آخر۔ ظاہر ہو یا باطن اور کچھ

دکھائی نہیں دیتا لیس کمثلہٖ شئ وھو السمیع البصیر اس کے مانند کوئی شئے نہیں وہ سننے والا ہے اور وہی دیکھنے والا۔ یہ خاص الخواص کی توحید ہے۔

فصل ——— (۲۸)

اہل مشاہدہ

اس فصل میں ان لوگوں کی معرفت کا ذکر ہے جنھیں مخصوص مشاہدہ ہوتا ہے۔ عارف کی حقیقت سائر (سیر کرنے والا) اور طائر (طیر کرنے والا) دونوں ہیں۔ نیز سیر سے خود طیر کا نشان ملتا ہے سیر نفس مطمئنہ کے مقامات میں ہوتی ہے اور طیر روحانی علوی مقامات میں۔ نیز طیر سے جذبات سِرّیہ کا (یعنی جنکا بھید سے تعلق ہے) نشان ملتا ہے۔ جذبہ عارف کو ایک حالت سے دوسری حالت میں بار بار آنے جانے نہیں دیتا اور اسکو خود اپنی ہویت (یعنی جیسی کہ اسکی اپنی حقیقت ہے اس) سے قریب کر دیتا ہے حتیٰ کہ جذبہ کی جگہ مشاہدہ لے لیتا ہے مشاہدہ کبھی اسکو اپنے آپ سے حاضر اور کبھی اپنے آپ سے غائب و بے خبر کر دیتا ہے یہاں تک عیاں ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ عیاں اسکو بالکل ریزہ ریزہ کر دیتا اور عین (یعنی ظہور ذات) اسے بالکل مٹا دیتا ہے۔ پھر حق اسکو محقق کرتا اور اسکے باطل کو نابید کرتا ہے۔ پھر وہ غیب الغیب کے انوار سے کشف اسرار اور ملک و ملکوت کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرتا اور عظموت و جبروت کے بیابان میں سرگرداں رہتا ہے حتیٰ کہ آسمان عبودیت سے آفتاب ربوبیت تجلی فرماتا اور بشریت کی زمین اپنے رب کے نور سے روشن و منور ہو جاتی ہے اور وہ ایسے مقام پر ترقی کر کے پہونچتا ہے جہاں ایسا نور ربوبیت تاباں ہے جو اللہ جل شانہ سے

فیض یاب ہے اللہ نور السموات والارض یعنی اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا اجالا ہے
پھر الطاف ربوبیت کی ہوائیں چلتیں اور عین شمس (چشمہ آفتاب) میں "ھویت" کا دروازہ
کھل جاتا ہے اور پھر جو ڈوبنے والا ہوتا ہے اسمیں ڈوب جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی پوچھ
گچھ نہیں ہوتی ؎

قد کان ما کان مما لا افوہ بہ ❊ فظن خیرا ولا تسأل عن الخبر

یعنی ہوگیا جو کچھ کہ ہوگیا۔ ایسا ہوا کہ میں منہ سے کچھ نکال نہیں سکتا۔ تم بس نیک گمان رکھو
اور خبر کچھ مت پوچھو۔ اسکا عالم جسمانی ضوء شریعت سے روشن اور اس کا چراغ نفسانی طریقت
کی روشنیوں سے نمایاں ہوا اور اس کے دل کی قندیل حقیقت روحانی کے نوروں سے منور ہوگئی
اور اسکی روح کی مشعل نور الٰہی کی آگ سے روشن ہوئی اور وحدانیت کا شجر دکھائی دینے لگا
اور سر (باطن) کے موسیٰ کو خطاب کیا گیا ان یا موسیٰ انی انا اللہ رب العالمین
اے موسیٰ میں اللہ ہوں تمام عالموں کا پروردگار۔ پھر کوئی جہت باقی نہ رہی۔ صورتیں فنا
ہوگئیں اور نہ حصے بکھرے رہے اور نہ اجزا اور صمدانیت ربانی کے نور کی تجلی سے وحدانیت
باری تعالیٰ کی بزرگی تمام میں پھیل گئی چنانچہ انسانیت[1] روحانیہ کا پہاڑ اس تجلی کے صدمہ
سے پاش پاش ہوگیا اور غیرت کی آگ سے غیریت بالکل جل گئی۔ شرکت اٹھ گئی اور وحدت
رہ گئی اسطور پر کہ ردائی کبریائی و عزت در براو ازار بزرگی و عظمت بر تن تنہا وہی وہی
رہا۔ اس کا کوئی شریک نہ تھا۔ وحدہ لا شریک لہ کل شیء ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون[2]

---

[1] وہ صفت انسانی جو روح و جسم دونوں کی ترکیب سے ظاہر ہوئی ۱۲ [2] آخر سورہ قصص۔

یعنی سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں مگر اسکی ذات مبارک۔ وہی رہے گی۔ اسی کی حکومت ہوگی اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمٰی[1] کی یہی ساعت ہے اور ما ینطق عن الھوٰی[2] کا یہی وقت ہے اور وہ ذات مطلق خود اس کلام کا رمز و بھید ہے کنت لہٗ سمعًا و بصرا و لسانا فبی یسمع وبی یبصر و بی ینطق[3] یعنی میں اسکی شنوائی بینائی اور گویائی ہو جاؤں گا۔ مجھی سے وہ سنیگا مجھی سے دیکھیگا اور میری ہی زبان سے کلام کرے گا۔

میری جان کی قسم یہ اس شخص کا حال ہے جپر "کنت کنزا مخفیا" (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا) کا راز کھل گیا ہو پس جبکہ پردہ اٹھ جائے گا۔ خفا نہ رہے گی اور تجلئے دوام ہوگی تو اسوقت دل جو کچھ دیکھیگا اسکے بیان کرنے میں جھوٹ نہ کہے گا اور قلب میں وہی شے رہ جائے گی جو وہاں مخفی ہے۔ اسوقت ایسا آدمی ریاض معرفت کے پھل کھائے گا اور محبت کے حوضوں سے پانی پیئے گا۔ جمال کے پیالوں میں جلال کی شراب بحر وصال سے لیکر اسکو پلائی جائے گی۔ اور قیل و قال کے لڑائی جھگڑوں سے اسے پھر آرام ملیگا۔ نہ وہاں سوال کی کثرت ہوگی اور نہ حالات کا تغیر پھر جب حالت تفرقہ میں وہ گھیرا جس میں عیب الغیب بھی ہے گھیرنے والے سے الگ نظر آئے گا۔ تو اسوقت یہ راز کھل جائے گا کہ اللہ

---

[1] سورہ انفال رکوع (۲) اس آیت کے معنی ہیں "تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جسوقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی" [2] سورہ النجم کی ایک آیت کہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ، یہ آنحضرت صلعم کی تعریف ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے [3] یہ ایک حدیث قدسی کا ایک جزو ہے جو بہت مشہور ہے ۱۲۔

ہی کی اک ذات مطلق ہے جو ہر شے پر محیط ہے۔

أبان الحق لیس بہ خفاء ... وباح السرّ وانکشف الغطاء

فنفسی زائل والروح نادت ... فلم یبق التکبر والصفاء

بقاء الحق افنانا فافنی ... بقاء فنائنا ذاك البقاء

تجلت سطوة الجبروت حتی ... فنینا ثم اذ فنی انقضاء

یعنی حق ظاہر ہوگیا اور کوئی چیز چھپی نہ رہی۔ بھید آشکارا ہوا اور پردے اٹھ گئے۔ پس میرے نفس کا زور کم ہونے لگا اور روح نے ندا کی (یعنی حق کو پکارا) پھر نہ تکبر باقی رہا اور نہ صفائی ہمیں حق کی بقا نے فنا کر دیا پھر ہماری فنا کی بقا کو بھی فنا کر دیا۔ یہی ہمارے لیئے بقا تھی۔ نیز جبروت کے سطوت و غلبہ کی تجلی برابر ہوتی رہی حتی کہ فناء الفنا کی حالت سے بھی ہم فنا ہو گئے۔

یہ معرفت کا وہ مقام ہے جو حقیقت کے مشاہدہ سے ملتا ہے جس سے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے عرفت ربی بربی ولولا فضل ربی ما عرفت ربی میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی کے بتانے سے پہچانا اور اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو میں اسے نہ پہچان سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمکو کمال ایمان اور یہ مقام نصیب کرے اور جس دن کہ لوگونکے قدم ڈگمگائیں ہمارے قدم صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

فصل ——— (۲۹)

توحید و ذکر

یہ فصل توحید کے مشکل مطالب کے حل میں ہے۔ پہلے تجرید[1] کا حق ادا ہو جائے اسکے

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

بعد توحید[2] کی بنیاد تفرید[3] پر قائم ہوتی ہے۔ یعنی پہلے خلق کا رشتہ ٹوٹے۔ پھر اپنے سے رشتہ ٹوٹے۔ جب کہیں اللہ سے رشتہ جُڑتا ہے اور توحید رونما ہوتی ہے۔ پھر ممکن ہے کہ سلطان الذکر کے استیلاء و غلبہ کے وقت اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی فردانیت کی بدولت تمہیں بھی اپنے سے فرد (یعنی بے علاقہ) کردے۔ کتاب کے شروع میں جو بیان ہو چکا ہے وہ گویا اس کی شرح ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خواہ اللہ اللہ ہو خواہ لا الٰہ الا اللہ ہو اہمیت اور اسکا مقام پہلے بتایا جا چکا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذکرونی اذکرکم (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا) پھر یہ بھی فرماتا ہے واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو شاید تم اپنی مُراد کو پہونچ جاؤ) نیز جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے الا أنبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من اعطاء الذھب والفضۃ وأن تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم۔ قالوا ما ذاک یا رسول اللہ۔ قال ذکر اللہ۔ یعنی کیا میں تمکو ایک ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر۔ تمہارے مالک کے پاس سب سے زیادہ ستھری۔ تمہارے درجات میں سب سے بلندتر اور سونے چاندی کی بخشش و عطا سے

---

[1] ہرچہ امروز دریابی از و بیرون آئی۔ آج کے روز جو کچھ تم کو ملی اس سے دلکو کوئی تعلق نہ رہے تجرید علائق و خلائق سے ہوتی ہے نہ دل میں کسی سے علاقہ رہے اور نہ خلق سے کوئی واسطہ سب سے الگ ہو کر صرف ایک سے راستہ رکھنا [2] توحید: یعنی ظاہراً و باطناً فعلاً و وصفاً صرف ایک کو جاننا۔ ایک کو ماننا۔ ایک کو دیکھنا اور ایک ہی کا ہو رہنا [3] تفرید یعنی در بند فرد نباشی یعنی کل کی فکر میں گرفتار نہ رہو۔ تفرید اپنے سے علاقہ نہ رکھنے کو کہتے ہیں۔ نہ دل میں کوئی غبار نہ پشت پر کوئی بار۔ نہ اپنا کسی میں شمار اور نہ سینہ میں بازار اور کسی مخلوق سے کوئی اثر کا

نوٹ:۔ سورۂ اخلاص میں توحید و تجرید و تفرید تینوں موجود ہیں ۱۲

تمہارے لئے زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی برتر ہے جسمیں تم دشمنوں سے مقابل ہوتے ہو۔ تم انہیں قتل کرتے ہو اور وہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

فصل ——————— (۳۰)

ذکر کی مزید صراحت

جان لو کہ مقامات قلبیہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والوں کے لئے اور مقامات روحانیہ ہیں اسکی طرف طیران کرنے والوں کیلئے ذکر الٰہی اک ساز وسامان سفر کا کام دیتا ہے۔ مقامات روحانیہ سے مراد وہ افعال وانفاس کے لطیفے ہیں جن سے اللہ جل شانہ کی بارگاہ تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ جل شانہ کے ذکر کے سوا اور کسی ذریعہ سے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا اس سے آغاز ہوتا ہے اور اسی کی طرف پھر لوٹ کر آنا ہوتا ہے الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ[1] اسی کی طرف ستھرا پاک کلام چڑھتا ہے اور نیک عمل اسکو اوپر اٹھا دیتا ہے۔ نیز ذکر ذاکر کو مذکور تک پہونچا دیتا بلکہ ذاکر کو بھی مذکور بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔[2]

---

[1] سورہ فاطر رکوع (۲)

[2] بعض کہتے ہیں کہ بندہ کا ذکر کرنا عین اللہ جل شانہ کا ذکر کرنا ہے اسلئے کہ اسکی طرف سے توفیق نہ ہو تو بندہ کبھی اسے یاد نہیں کر سکتا۔ توفیق خود ایک طرح کی یاد ہے۔ جب یاد کرنے والا ہی یاد کیا گیا ہو اور جو یاد کیا گیا وہ بھی یاد کرنے والا اقرار پایا تو پھر فرق کیا رہا۔ بندہ اپنے رب میں گم ہو گیا اور صرف رب ہی رب باقی رہا پھر ذکر و یاد کا واسطہ بھی مٹ گیا۔ اسلئے کہ یہ بھی ایک مٹنے والی شئے تھی لیس جسے بقائے دوام ہے وہی تنہا باقی رہا۔ کل شئی ہالک الا وجہہ یہی ذکر کا مقصود تھا جو انجام کار اسطرح حاصل ہوتا ہے۔ یہی حقیقت ہے اور سب بے حقیقت۔ یہی حق ہے یہ سب باطل ان الباطل کان زھوقا اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ اور بس باقی ہوس۔ ۱۲

ذکر کی تین قسمیں ہیں ذکر بالاقوال۔ ذکر بالاعمال اور ذکر بالاحوال یعنی قول سے عمل سے اور حال سے تینوں طرح ذکر ہو فاذکرونی بالاقوال تم زبان سے عفو کے خواستگار ہو کر اور گناہوں سے معافی مانگتے ہوئے مجھے یاد کرو میں تمہیں اپنی رحمت وغفران سے یاد کروں گا۔ یعنی تم پر رحمت بھیجوں گا اور تمہارے گناہ بخشوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ[۱] اور وہ لوگ جب بے حیائی کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو یاد کریں اللہ کو اور اپنے گناہوں کی اس سے بخشش مانگیں (تو وہ بخش دیتا ہے) اور گناہوں کو کون بخشتا ہے سوائے اللہ کے فاذکرونی باعمال الارکان یعنی تم مجھے اپنے ہاتھ پاؤں کے اعمال سے خلوص ایمان کے ساتھ یاد کرو میں بھی تم کو تمہارے دلوں کو زندہ کرنے اور تمہیں جنت میں داخل کرنے سے یاد کروں گا یعنی تمہیں یاد کرکے تمہارے دلوں کو زندہ اور تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ وہ خود فرماتا ہے " من عمل صالحًا من ذکر أو أنثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ[۲] تا آخر آیت یعنی جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت اور یقین وایمان رکھتا ہے تو اس کو ہم جلائیں گے ایک اچھی زندگی اور بدلہ میں دیں گے ان کا حق انکے بہتر کاموں پر جو کرتے تھے۔ وہ کہتا ہے مجھے اپنے جسموں اور روحوں سے کثرت کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں کامیابی اور بہبودی عطا فرماکر یاد کرونگا یعنی وہ فرماتا ہے واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون[۳] (اللہ کو بہت یاد کرو شاید تم مراد پاؤ) تم مجھے احوال یعنی شوق محبت سے یاد کرو میں تم کو اپنے قبول وبرگزیدگی سے یاد کروں گا۔

---

[۱] سورہ آل عمران رکوع (۱۴) [۲] سورہ نحل رکوع (۱۳) [۳] سورہ انفال رکوع (۶)

حدیث قدسی میں ہے من تقرب الیّ شبراً تقربت الیہ ذراعاً (جو کوئی میری طرف بالشت بھر آتا ہے میں اسکی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں) مجھے تم تضرع اور ابتہال یعنی گڑگڑا کر عجز و نیاز سے یاد کرو میں تمہیں فضل و استقبال سے یاد کروں گا یعنی تم پر فضل فرماؤں گا اور اپنے سامنے رکھونگا یہی حدیث قدسی میں ہے "من اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ" (جو کوئی میرے پاس آہستہ آہستہ چلکر آئے گا میں اسکے پاس دوڑتا ہوا آؤں گا) تم مجھے تعظیم سے یاد کرو میں تمہیں تکریم سے (کرم فرماکر) یاد کروں گا۔ تم مجھے فانی ہوکر یاد کرو میں تم کو اپنی صفت بقا کے ساتھ یاد کروں گا تم مجھے صفائی سِر (باطن) سے یاد کرو میں تمکو خالص بِرّ (یعنی بے لاگ احسان و مہربانی) سے یاد کرونگا۔ تم مجھے ترک جفا سے یاد کرو میں تمہیں حفظ وفا سے یاد کروں گا۔ تم مجھے ترک خطا سے یاد کرو میں تمہیں انواع عطا سے یاد کروں گا۔ تم مجھے اس حیثیت سے یاد کرو جو تمہاری ہے میں تمہیں اس حیثیت سے یاد کروں گا جو میری ہے۔ تم مجھے بذل وجود (یعنی اپنے وجود کو تج کرکے) اور فنا سے یاد کرو میں تمہیں بذل شہود (اپنے شہود کی نعمت عطا کرکے) اور بقا سے یاد کروں گا یہی وہ ذکر ہے جسکی حقیقت اللہ تعالیٰ اپنے اس قول میں بیان فرماتا ہے جو حدیث قدسی میں اسطرح وارد ہے "وان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی" (اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں) یہی وہ ذکر حقیقی ہے جو ذاکر کو مذکور اور مذکور کو ذاکر بنا دیتا ہے اسطور پر کہ ذاکر و ذکر و مذکور سب کو ایک کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار[1] پوچھتا ہے کہ آج کے دن کس کا راج ہے

---

[1] سورہ مومن۔ رکوع (۲)

پھر خودہی جواب دیتا ہے کہ اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا۔ کسی کے یہ شعر ہیں ؎

رق الزجاج وراقت الخمر فتشابہا فتشاکل الامر

فکانما خمر ولا قدح وکانما قدح ولا خمر

یعنی شیشہ و شراب دونوں ایسے روشن و شفاف ہو گئے کہ دونوں میں دھوکا ہونے لگا اور پہچاننا مشکل ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب شراب ہی شراب ہے اور قدح نہیں یا سب قدح ہی قدح ہے اور شراب نہیں۔

اسکی مثال تمہیں پروانہ کے حال میں ملیگی جو شمع کا گرویدہ ہوتا ہے۔ مثلاً شمع پروانے سے کہتی ہے اذکرنی نفسک اذکرک فی نفسی۔ تو مجھے اپنے جی میں یاد کر میں بھی تجھے اپنے جی میں یاد کرونگی بس پروانہ نے اسطرح یاد کیا کہ اپنے آپ کو شمع پر سے فدا کر دیا اور شمع نے اس طرح یاد کیا کہ اسے جلا دیا۔ پروانہ کا شمع کو اپنے جی میں یاد کرنا یہ تھا کہ وہ شمع کی لو پر اپنے تئیں فدا کر دے اور شمع کی لو کا اپنے جی میں یاد کرنا یہ تھا کہ پروانہ کو اپنے اوپر سے تصدق کر کے جلا دے اور شمع یہ باور کرے کہ پروانہ نے اسکے لئے اپنے تئیں نذر آتش کر دیا ہے۔ پس پروانہ شمع میں گم ہو گیا اور کوئی تمیز باقی نہ رہی کہ شمع کون ہے اور پروانہ کون۔ دونوں توام ہو گئے اگر پروانہ کو ڈھونڈوگے تو شمع کو پاؤگے اور اگر شمع کو تلاش کروگے تو پروانہ کو پاؤگے۔ اس مضمون کو کسی نے ان شعروں میں ادا کیا ہے ؎

انا من اھوی ومن اھوی انا نحن روحان حللنا بدنا

فمتی ابصرتنا ابصرتہ ومتی ابصرتہ ابصرتنا

یعنی میں اور میرا محبوب دونوں ایک ہوگئے۔ میں وہ ہوں اور وہ میں۔ ہم دو جانیں ہیں جو ایک ہی بدن میں ہیں جب تم نے مجھے دیکھا تو گویا انہیں کو دیکھا۔ اور جب ان کو دیکھا تو گویا ہمیں کو دیکھا۔

یہ شعر بھی اسی مضمون کے ہیں ؎

وما کنت ممن یظهر السر انما | عروس هواها فی ضمیری تجلت

فشاهدتها فاستغرقتنی فکرة | نغبت بها عن کل کلی وجملتی

یعنی میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے بھید کو ظاہر کر دیتے ہیں، وہ تو ایک دلہن ہے جس کے عشق نے میرے ضمیر (دل) پر تجلی فرمائی پس جب میں نے اسکو دیکھا تو مجھے اسنے اپنے سوچ اور تصوّر میں بالکل غرق کر دیا اور میں ہر چیز سے جملۃً وکلیتہً اسمیں فنا ہو گیا۔

یہ سب ان کلمات الٰہی کے معانی کی مزید اندرونی مطالب ہیں کل شیئ ھالک الا وجہہ (سوائے اسکے ذات پاک کے ہر شے فنا ہونے والی ہے) کل من علیها فان (جتنے جاندار اس عالم میں ہیں سب فنا ہونے والے ہیں) کل نفس ذائقة الموت (ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے) پاک ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گی صوفیہ تو موت سے پہلے ہی مر چکے۔ اپنے فنا ہونے کے پہلے ہی انہوں نے اپنے نفس کو اور جو کچھ ان کے علاوہ تھا سب کو فنا کر دیا۔ الا له الخلق والامر[1] اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔

فصل ——— (۳۱)

سماع

عالم باللہ اور مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ حسن کے لحاظ سے لوگ مختلف ہیں۔ اسیطرح فہم کے

---

[1] سورہ اعراف رکوع (۷)

لحاظ سے اہل حس۔ اور ذوق کے لحاظ سے اہل فہم مختلف ہیں مگر صوفیہ کو فہم وحس
وذوق تینوں میں جو بات حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ اگر کسی صادق الحال صوفی کو کسی
بات پر وجد آئے اور وہ بات ایسی ہو کہ تمہیں اسپر وجد نہ آئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ تم جیسے
آدمی کو نہ وہ فہم ہے جو صوفیہ کو ہے اور نہ وہ ذوق ہے جو ان کو ہے۔ لہذا کسی کو مناسب
نہیں کہ اک صادق الحال صوفی کے وجد کو ڈھونگ سمجھے اسلئے کہ ایسے لوگوں کو ہر شے کی
فہم میں ایک خاص بصیرت اور ہر غور وفکر میں ایک نصیحت وعبرت ہوتی ہے۔ جب کبھی وہ چپ
ہوتے ہیں تو وہ طرح طرح کی فکروں میں رہتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو طرح
طرح کی حکمت کے فوائد ان کے کلام میں ہوتے ہیں پس کتنے ہی مشاہدے ان کی نظر کے
سامنے ہونگے اور کتنے وجدان انہیں حاصل ہوں گے۔ جو عالم باللہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ
سماع سننے والے کو جو طرب حاصل ہوتا ہے وہ یا تو صانع کی صنعت کی خوبی پر یا اسکی یاد
آجانے پر یا اسکے ذکر کے ساتھ خود صانع کا جمال نظر آنے پر جسے مشاہدہ جمال نہیں ہوتا
وہ دلیل کے ذریعے سے یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ یہ صنعت کتنی اچھی اور اسکا حسن الو کہا ہے اور
اس میں وہ صانع کی حکمت بالغہ اور کمال کی نشانی اور دلیل پاتا ہے موجودات میں جہاں
کہیں اور جس شے میں حسن وجمال ہے وہ اس میں صانع حکیم (یعنی ایک بڑے حکمت والے
کاریگر) کا وجود معائنہ کرتا ہے کہ وہ حکمت والا صانع ایسا جواد اور عطا وبخشش والا ہے
کہ نہ اس جیسا کوئی جمیل ہے اور نہ اسکا سا کہیں جمال ہے۔ اسکے فضل وجود کی شان بہت بڑی
ہے۔ جو علمائے ربانی اور عارف باللہ ہیں مثلاً امام وقت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی وغیرہ انکا

قول ہے کہ سامع جب ایک شعر کو سنتا ہے تو ایسے معنی نکالتا ہے جس سے اپنے رب کی یاد کرے اس یاد سے یا تو اسے فرحت ہوتی ہے یا خوف طاری ہوتا ہے یا ایک افتقار و انکسار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال جیسی کچھ اسکی یاد اپنے رب کے ذکر سے ہو وہی کیفیت اسکے دل پر طاری ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی چڑیا کی آواز سنتا ہے تو اس میں اسکو طرب آتا ہے اور سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کیسی حیرت انگیز ہے کہ ایک چڑیا کے گلے میں اسنے ایسی آواز پیدا کی اور اپنی مخلوق کو اس کا گرویدہ کر دیا۔ کیسی اسکی صورت بنائی اور سماع کا ایک ایکا اسکی فطرت میں رکھا۔ ان سب میں وہ فکر کرتا ہے اور اپنے رب کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ پھر اگر کسی آدمی کی اچھی آواز اسکے کان میں پڑے اور ایسا ہی تفکر پیدا ہو اور اس کا باطن ذکر و فکر سے بھر جائے تو کیسے اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔

فصل (۳۲)

سماع کی قسمیں

سماع کے معنوں میں سے ایک یہاں بیان کیا جاتا ہے یعنی سماع دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو مباح ہے۔ یہ اسکے لئے ہے جسے اچھی آواز سے لذت لینا اور سرور و فرحت حاصل کرنا مقصود ہو۔ یا کوئی شخص غائب ہو یا مر گیا ہو۔ اسکی وجہ سے آدمی محزون ہوا اور سماع سے اس حزن کو دفع کرنا اور راحت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو مستحب ہے یہ اسکے لئے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت و شوق کا غلبہ ہو اس میں سماع سے صرف صفات محمودہ کو حرکت ہوتی ہے اور اللہ کی طرف شوق اور بڑھتا ہے اور لطیف لطیف احوال و مقامات

حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن جو سامع بغیر قلب کے سنتا ہے اور مباح و مستحب میں تمیز نہیں کر سکتا وہ اگر سنیگا تو صفات ذمیمہ کو ہیجان آئے گا اور وہی ابھریں گے اور ادنیٰ درجہ کے حظوظ نفسانی سامنے آئیں گے اور انہیں کا وہ خیال کرے گا مثلاً دنیا کی طمع ۔ حرام چیزوں کی یاد و حرص ۔ ایسے سماع سے صرف وسواس و خواہشات نفسانی جوش میں آئیں گے اور گناہوں کی طرف رغبت ہوگی ۔ یہ حرام ہے لیکن جسنے ایسا سماع سنا کہ اس سے رب کی یاد تازہ ہوئی اور اسکی عجائب و غرائب میں تفکر و تدبر کیا ۔ گناہوں سے ڈرنے لگا اور آخرت کی یاد آئے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف شوق و ولولہ ۔ اسکے عقاب کا خوف وعدوں سے امید اور وعیدوں سے حذر پیدا ہوگا ۔ ایسے شخص کا سماع ایک طرح کا ذکر ہے اور وہ ابرار کے صحیفوں میں لکھا جائے گا ۔

فصل ــــــــــ (۳۳)

ظرف سماع

جانو کہ سماع کے وقت دل ایک بڑے ظرف کی طرح ہوتا ہے ۔ اور کان بھی ایک برتن کی طرح اور نغمات خوشگوار شربتوں کی طرح ۔ کیونکہ آوازیں نغمات کی ترکیب ہوتی ہیں اور راگ کو ظرف تک لیجاکر پہونچاتی ہیں ۔ اگر ظرف صاف نہیں ہے تو معانی کا مزا نہ ملیگا ۔ اور معانی درست و صحیح نہ ہوئے تو عمارت ہی نہ قائم ہوگی ۔ جب تم نے شربت کو اسکے ظرف میں ڈالا اور ظرف یعنی برتن جو قلوب ہیں صاف ہیں ۔ تو اس سے اخلاق حمیدہ ۔ احوال شریفہ اور مقامات بلند ظہور میں آئیں گے اور اگر ظرف صاف نہیں ہے

اور اس میں میل کچیل ہے تو سماع سے ایک طرح کی بُری قساوت قلب اور گناہ اور خطائیں پیدا ہونگی اور اگر نہ صفائی ہے اور نہ خباثت اور نہ ایسی تواضع وانکسار ہے جسے بہت اچھا کہا جاسکے اور ظرف بس خالص ہے مگر ابھی تک خراب نہیں ہوا ہے تو مباحات پیدا ہونگے - ابیات میں دراصل کوئی خرابی نہیں - اسلئے کہ بُول (قول) نغموں اور راگوں کا میٹھا پانی گھاٹ سے لاکر پلاتا ہے - آوازیں ان راگوں کو اٹھا اٹھا کر دل کے برتن میں بھرتی ہیں جو قلوب کی صفائی یا کدورت کی مقدار کے لحاظ سے ان معانی کے احوال سے لبریز ہوتے ہیں جو حضرات مثانی یعنی بارگاہ قرآنی سے وارد ہوتے ہیں وہ یا تو اللہ تعالیٰ کے ذکر و یاد سے بھرے ہوتے ہیں یا اللہ صانع مطلق کی صنعتوں کے عجائب و غرائب کے اندر فکر و دھیان سے لبریز ہوتے ہیں یا پھر لہو لعب اور گناہوں کا پوٹ ان کا ذخیرہ ہوتا ہے ؎

ماحیلۃ الساقی اذا طاف علی	ندمائہ بالخمرۃ المخللۃ
قلوبنا اوعیۃ فکلما	طاب الوعا طاب لہ ماحصلہ
قلب بذکر اللہ اضحیٰ روضۃ	وآخر باللھو صار مزبلۃ
ما منبت الورد کمنبت غیرہ	ولا شذی المسک کریح البصلۃ
لو سقی الحنظل شہداً دائما	ما انبت الحنظل الا حنظلۃ

یعنی ساقی اگر اپنے ندیموں کو سرکہ ملی ہوئی شراب پلائے تو کوئی کیا کرسکتا ہے - ہمارے قلوب ظرف کی مانند ہیں اگر برتن پاک و صاف ہے تو جو کچھ اسمیں ڈالا جائے گا وہ بھی پاک رہیگا ایک وہ دل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گلشن پر نور ہیں اور ایک وہ ہیں جو لہو لعب کے کوڑے کرکٹ

سے گھوڑے بن گئے ہیں۔ گلاب کے اُگنے کی جگہ اور ہے اور گھاس پھوس وغیرہ کی اور۔ جو خوشبو مشک کی ہوتی ہے وہ پیاز کی نہیں ہوتی۔ اگر اندرائن کے درخت کو ہمیشہ شہد سے سینچا جائے تب بھی جو پھل دے گا وہ اندرائن ہی ہوگا۔

فصل ــــــــــــــــ (۳۴)

شریعت وحقیقت

اہل حقیقت وہی ہیں جو عالم باللہ ہیں اور ان معارف کے جاننے والے ہیں جو اللہ اور اسکے اسماء وصفات کے ساتھ متعلق ہیں۔ علوم معارف تمام علموں سے بزرگ تر ہیں۔ ان علماء کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ اسرار ربوبیت کے انوار کا مشاہدہ ہو۔ شریعت نے جو چیزیں فرض وواجب کر دی ہیں ان پر عمل کرنا ہی حقیقت تک پہونچنے کے راستے پر چلنا ہے۔ جو اس راستہ پر چلا وہ حقیقت تک پہونچ گیا بس حقیقت فرائض وواجبات شریعت کی نہایت ہے اور خود حقیقت کی نہایت ان شرعی حدود واحکام کے مخالف نہیں۔ علماء عارف باللہ نے شریعت وحقیقت کو چار مثالوں میں بیان کیا ہے اور جڑ شریعت ہی کو قرار دیا ہے یعنی شریعت سمندر۱ ۔ معدن۲ ۔ دودھ۳ اور شجر۴ کی مانند ہے اور حقیقت وہ شے ہے جو ان سے نکالی جاتی ہے یعنی سمندر سے موتی۔ معدن سے سونا۔ دودھ سے مکھن اور درخت سے چکنائی یعنی اسکا تیل۔

فصل ــــــــــــــــ (۳۵)

حلول

خطیب بغدادی نے اپنے کسی خطبہ میں دنیا وما فیہا کو گھاس پھوس کہا ہے اور اس سے مراد

تنزیہہ باری تعالیٰ کی ہے۔ وہ کہتا ہے[1] ۔ مجھے کیا ہو گیا ہے جو میں اشیاء کو غیر حلول یعنی حلول سے مبرا پاتا ہوں درانحالانکہ ان کی مطالع یعنی وہ حقیقتیں جہاں سے وہ رونما ہوتی ہیں۔ فانی و غروب ہونے والی نہیں ہیں۔ تمام جلیل القدر مشائخ متقدمین اسکے اس قول پر حیرت کرتے ہیں اسلئے کہ جسنے حلول و اتحاد کو اپنے عقیدہ میں داخل کیا اس نے کفر کیا۔

فصل ۳۶

عظمت و جلالت باری تعالیٰ عز اسمہٗ

اللہ جل شانہ کی بارگاہ مقدس اتنی بڑی ہے کہ وہ عقلوں میں نہیں سما سکتی۔ اسکی عزت جلال حلول و اتحاد سے پاک اور عقل اسکے وصل (یا وصول) کی کنہ و حقیقت تک پہونچنے سے قاصر ہے۔ یہاں اس کے پر کٹ جاتے ہیں اور وہ پرواز نہیں کر سکتی۔ یہاں پہونچکر بڑے بڑے لوگوں کی بینش و دانش ختم ہو جاتی ہے۔ نہ بصارت باقی رہتی ہے اور نہ بصیرت کیونکہ محض یہ سمجھ لینے سے کہ ادراک حاصل ہو گیا۔ ادراک حاصل نہیں ہوتا اللہ جل شانہ نے رسول احمد پر درود بھیجے جنہوں نے بتایا کہ۔ اللہ عز اسمہٗ کی ذات اس سے بلند تر ہے کہ کوئی اسکی کبریائی کے سراپردون تک پہونچکر اس سے واصل ہو سکے اور یہ ناممکن ہے کہ عنقائے وصول کو جال بچھا کر شکار کیا جا سکے۔

---

[1] خطیب بغدادی یہ کہتا ہے "مالی اری الاشیاء من غیر حلول المطالع علیہا من غیر افول" مترجم کہتا ہے کہ آجکل سائنس نے ظاہر کر دیا ہے کہ ایک شے جو یکبار وجود میں آئے وہ کبھی حقیقتہ فنا نہیں ہوتی مثلاً آواز ہے جو یکبار نکلی وہ بس یہیں رہ گئی اسکی موجیں جو ہوا میں ہیں دور ہوتی جاتی ہیں مگر ہمیشہ رہنے والی ہیں اور اگر کوئی ریڈیو اتنا قوی تیار ہو سکا کہ صدیوں کی نکلی ہوئی آواز ونکو جو ہنگ برابر نامعلوم طریقہ پر غیر معلوم مقام پر چلی جا رہی ہیں وہ گرفتار کر سکا تو پھر وہ اسیطرح سنادی جائیں گی جیسے حالیہ آوازیں سنائی دیتی ہیں اس سے حلول و اتحاد کی نفی ہوتی ہے بلکہ اس میں عدم حلول کا ثبوت موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

فصل ——— (۳۷)

اہل سیر و اہل طیر

اللہ جل شاہ کی شان بڑی عظیم اور برہان بہت گرامی ہے۔ باوجود اسکے جو بندے اسکی طرف سیر کرتے آتے ہیں ان کے لئے منارے اور درجے اور جو طیر کرتے آتے ہیں ان کے لئے روحانی مقامات مقرر فرما دیئے ہیں۔ اسکے ہوائے بخشش و عنایت نے جس حد تک چاہا انہیں پہونچایا اور جس طرح چاہا کشتی استقامت میں سوار کرکے انہیں ٹھیک ٹھیک حتیٰ کہ معدن ہدایت تک پہونچا دیا۔ وہاں وہ اتر پڑے تاکہ جو کچھ حاصل کرنا ہو حاصل کرلیں اور جب وہاں سے نکلے تو اس نیت سے کہ مقصود سے جا ملیں۔ پس ان کے لئے الطاف ربوبیت کی ہوائیں چلیں اور اسکے اوصاف ہیبت کی لشکروں کی سطوت کیوقت عبودیت کے چہرہ پر جو بشریت کے پردے پڑے تھے سب جل گئے۔ نکرت کی تاریکی کا پردہ اٹھ گیا اور انوار معرفت کشف ہونے لگے۔ یہاں پہنچکر تمام تکلیفیں اٹھانیکے بعد انہیں عیش کی زندگی نصیب ہوئی مگر اس عیش کے بعد پھر وہ رنج و محن میں مبتلا ہوئے پس جب تجلی جمال ہوئی تو عیش کی زندگی بسر کی اور جب تجلی جمال ہوئی تو رنج و محن کی زندگی گذاری۔ غرضیکہ کبھی روضہ عیش میں راحت و آرام کی زندگی میں آگئے اور کبھی غدیر طیش میں بے آرامی اور بے چینی کی زندگی میں گئے اور اسیطرح ایک حالت سے دوسری حالت میں آتے جاتے رہے یہاں تک کہ عیش کی زندگی کے میدان طے اور طیش و تکالیف کے سمندر پار ہوگئے بعد ازاں نہ عیش باقی رہا اور نہ طیش۔ یہاں وہ اپنی انیت (یعنی) سے فنا ہوگئے اور بلاغم و فکر اسکی ربوبیت میں باقی رہے۔ پس حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں ہدایت دی۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ اللہ جو تمام عالموں کا پالنہار ہے۔ وہی حمد کا مستحق ہے۔

(ترجمہ الکبریت الاحمر والاکسیر الاکبر تالیف حضرت عبد اللہ بن ابی بکر عیدروس تمام ہوا ۱۳۷۰ھ)

فہرست مضامین

عرض ناشر

یہ کتاب حقائق تصوف میں ہے اور میرے پیر و مرشد حضرت سیدنا و مولانا عین الاعیان عمدۃ الزماں وقدوۂ اہل عرفان حبیب عیدروس بن حسین بن احمد العیدروس قدس سرہٗ کو ایسی پسند تھی کہ انہوں نے اسکی تعریف میں یہ شعر کہے تھے ؎

اذا اردت ان تسمو وتفخر　　　وتفهم سر معنى الله اكبر

فشمر داعیانی كل حسين　　　وطالع يا فتى الكبريت الاحمر

یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ بڑے مرتبہ پر پہونچو اور فخر کرو اور اللہ اکبر کے معنی سمجھو تو ہر وقت ہمت و مستعدی کے ساتھ اس کتاب یعنی کبریت احمر کو پڑھا کرو۔

مجھپر حضرت پیر و مرشد صاحب قدس سرہٗ کی بہت شفقت تھی اور اکثر دلجوئی کے کلمات فرمایا کرتے تھے جنکا ذائقہ ابتک باقی ہے۔ اس لطف و عنایت کی یادگار میں اس ترجمہ کو چھپوا کر اب میں ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جنہیں ایسے مضامین تصوف سے ذوق ہے اور ایسی کتابوں کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں۔

جلال الدین احمد (عیدروسی)

بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ناشر

کراچی ۱۳۷۱ھ صفر

تصحیح طلب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۲	دفنا	فنا
۵	۱	صوم	علوم
۶	۱۴	کو	کی
۸	۳	کرنا	کرتا
۹	۲	رہی	وہی
"	۷	جسپر یہ	جسپر
۱۵	۲	نہیں	ہیں
۱۷	۱۶	وہ نہیں	نہیں
۱۸	۲	بجائی	بجا
۲۸	۵	شکر	سکر
۳۰	۵	ہے	ہیں

٣٢	٢	سیف	سیف
٣٧	١٣	رستی	رسّی
٤٢	٦	ہوتے	ہوتے ہیں
"	٧	ہوتے	ہوتے ہیں
"	١٦	ثابت	وانابت
٤٨	٧	قدیم حدث	قدمِ حدث
٤٩	١٣	میرے	اپنے
"	١٦	قبا کی دامن	قبہ
٥٤	١٠	سلے	لے
"	١٣	نا اپید	ناپید
٥٩	١٧	یاکرنے	یاد کرنے
"	٢٠	اللہ اور	اللہ
٦٢	٣	حرُ	خمر
٦٤	١	حسن	حِس
٧٠	١١	جب تجلی جمال ہوئی	جب تجلی جلال ہوئی
٧٢	٥	حسین	حسین